اہلِ حدیث
چند حقائق

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مکتبہ صداقت نوادہ، مبارکپور، اعظم گڑھ یوپی پن نمبر ۲۷۶۴۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہلِ حدیث

چند حقائق

از

مولانا مفتی جمیل احمد نذیری

مہتمم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارک پور

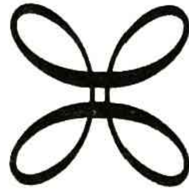
شائع کردہ

مکتبۂ صداقت، نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، یوپی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	:	اہل حدیث - چند حقائق
مصنف	:	مولانا مفتی جمیل احمد نذیری
باردوم	:	گیارہ سو
سن اشاعت	:	دسمبر ۲۰۰۹ء
کمپوزنگ	:	صلاح الدین نثار معروفی
ضخامت	:	۲۰۸ صفحات

قیمت	:	Rs. 85/-



ناشر

مکتبۂ صداقت: نوادہ، مبارک پور، اعظم گڑھ۔ یوپی

پن کوڈ: ۲۷۶۴۰۱، فون نمبر ۲۵۱۱۸۶-۰۵۴۶۲

فہرست مضامین



اہلِ حدیث - چند حقائق

ہندو پاک کی جماعتِ اہلحدیث، جوکہ ترکِ تقلید کی داعی، اورتقلید کو برا سمجھتی ہے، غیر مقلدین، کے لقب سے معروف ہے۔ چونکہ اِن حضرات کے نزدیک تقلید، کفار ومشرکین کا طریقہ اور یہود ونصاریٰ کی روش ہے، اس کے برخلاف ترکِ تقلید، صراطِ مستقیم اورسلفِ صالحین کا اسوہ ہے۔ دین کے مقابلے میں سب سے برتر واعلیٰ معیار ہے۔ خوبی وہنر کی چیز ہے۔ اس لئے اہلِ حدیث حضرات کو "غیر مقلدین" کا لقب اچھا لگنا چاہئے، انہیں اِسے اپنی عزت افزائی اوراکرام سمجھنا چاہئے۔

جیسے کسی کواس کے اصل نام کے بجائے، اس کے اعزازی نام، مولانا صاحب، حافظ صاحب، قاری صاحب، ڈاکٹر صاحب، وکیل صاحب، انجینئر صاحب، سے پکارا جائے، تو یہ اُس کے لئے ناراضگی کی چیز نہیں، خوشی ومسرت کی چیز ہے، یہ القاب اس کے کام کی نوعیت کو بتاتے ہیں، اس کے اندر کی خوبی کو بتاتے ہیں، اس کے احترام واعزاز پر دلالت کرتے ہیں۔

البتہ اگر وہ کام خراب ہو، سماج ومعاشرہ کے اعتبار سے دَناءت وذلت پر دلالت کرتا ہو، تو اصل نام چھوڑ کر، ایسا نام جواس کے کام کی نوعیت کو بتائے، اکرام واعزاز نہیں سمجھا جاتا۔ مثلاً کسی موچی کو اصل نام کے بجائے، موچی کہنا، مہتر کو اصل نام کے بجائے،

مہتر سے پکارنا، چپراسی کو اصل نام کے بجائے، چپراسی کہنا۔

تو صورت حال یوں بنی کہ جو لقب سماج و معاشرہ میں اعزاز کو بتائے، اس لقب سے مخاطب کرنا، توہین نہیں، اعزاز ہے۔

اہلحدیث حضرات کے سماج و معاشرہ میں ترکِ تقلید، ہنر ہے، عیب نہیں، اعزاز کی چیز ہے، توہین نہیں۔

بلکہ یہ ایسا ہنر اور اعزاز کا کام ہے کہ وہ حضرات، سارے مسلمانوں کو اسی طریقہ پر لانے کے لئے بھرپور کوشاں ہیں، اس کے لئے ہر قسم کے غلط و صحیح ہتھکنڈے بھی استعمال کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ سب لوگ انہیں کی طرح تقلید چھوڑ دیں، اور تقلید چھوڑ دیں گے تو ظاہر ہے کہ غیر مقلد ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ تقلید کرنے والا مقلد کہلاتا ہے، اور جو تقلید نہ کرے وہ غیر مقلد۔

خلاصہ یہ کہ اہلحدیث حضرات کا اعزازی لقب ''غیر مقلد'' ہے۔ اس لئے یہ لقب انہیں پسند ہونا چاہئے۔ اس پر برا نہیں ماننا چاہئے۔ جیسے ڈاکٹر صاحب، ڈاکٹر صاحب کہنے سے، وکیل صاحب، وکیل صاحب کہنے سے، انجنیئر صاحب، انجنیئر صاحب کہنے سے، مولانا صاحب، مولانا صاحب کہنے سے، حافظ صاحب، حافظ صاحب کہنے سے، برا نہیں مانتے۔

لیکن حیرت ہے کہ اہلِ حدیث حضرات ''غیر مقلّد'' کہنے پر چیں بجبیں ہوتے ہیں ناراضگی ظاہر کرتے ہیں۔

شاید، اس لئے کہ وہ زبان و قلم سے کہتے اور لکھتے ضرور ہیں کہ تقلید بری چیز ہے، مگر دل میں احساس ہے کہ تقلید نہیں، عدمِ تقلید، ترکِ تقلید بری چیز ہے، اسی لئے وہ اِسے اپنے لئے برا لقب سمجھتے ہیں۔

یہاں اہلِ حدیث حضرات کو یہ بات صاف کردینی چاہئے کہ ترکِ تقلید، اگر ہنر ہے، اعزاز واکرام کی چیز ہے، دین پر عمل کرنے کے معاملے میں سب سے اعلیٰ معیار ہے، تو غیر مقلد کا لقب، اُن کے لئے عیب ہوا یا ہنر؟ توہین ہوئی یا اعزاز۔

بہرحال ! اہلحدیث حضرات ترکِ تقلید کی دعوت دیتے ہوئے اپنی اشتہار مہم میں جو موضوعات زوروشور سے چھیڑتے ہیں، جن معاملات میں چیلنج بازی کی حدوں کو پھلانگ چکے ہیں، اگلے صفحات حاضر ہیں، یہ بتانے کے لئے کہ وہ بھی شیشہ کے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔





غیر مقلدین کا نام اہلحدیث؟

کوئی فرقہ اپنی شناخت کے لئے اپنا کوئی نام رکھ سکتا ہے، اس میں کسی اشکال اوراعتراض کی بات نہیں، لیکن اگر وہ اس نام سے مغالطہ دیتا ہے تو ضرور مغالطہ کو دور کیا جائے گا۔

موجودہ فرقۂ غیر مقلدین کا یہی حال ہے کہ اس نے اپنے لئے ''اہلِحدیث'' کا نام چنا ہے، جیسے منکرین حدیث نے ''اہلِ قرآن'' کا۔

غیر مقلدین ''اہلِحدیث'' کے نام سے مغالطہ یوں دیتے ہیں کہ یہ لفظ کتبِ حدیث میں محدثین کے لئے استعمال ہوا ہے نہ کہ آج کل کے تقلید سے آزاد غیر مقلدین کے لئے جن میں عام وخاص عالم وجاہل سبھی شامل ہیں۔

مثلاً امام ترمذیؒ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد اس کی سند پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

لیس اسناده بالقوی عنداهل الحديث لانالانعلم احداً اسنده غير خارجة وخارجة ليس بالقوى عنداصحابنا وضعفه ابن المبارك. (۱)

اس حدیث کی سند اہلحدیث (یعنی محدثین) کے نزدیک قوی نہیں۔ اس لئے کہ ہم نہیں جانتے کہ خارجہ کے علاوہ کسی اور نے بھی اس حدیث کو مسند نقل کیا ہو۔ اور خارجہ ہمارے اصحاب (یعنی محدثین) کے نزدیک قوی نہیں، عبداللہ بن مبارکؒ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

---

(۱) ترمذی ۱/۹ باب کراہیۃ الاسراف فی الوضوء

ایک دوسری حدیث کے متعلق لکھتے ہیں:

حدیث ام فروہ لایروی الامن حدیث عبداللہ بن عمر العمری و لیس ھو بالقوی عنداھل الحدیث.

ام فروہ کی حدیث صرف عبداللہ بن عمر العمری سے مروی ہے اور وہ اہلحدیث کے نزدیک قوی نہیں۔

(۱)

ایک اور حدیث کی سند پر یوں کلام کرتے ہیں:

ابو اسرائیل لم یسمع ھٰذاالحدیث من الحکم بن عتیبۃ قال انما رواہ عن الحسن بن عمارۃ عن الحکم بن عتیبۃ وابو اسرائیل اسمہ اسماعیل بن ابی اسحاق ولیس بذالک القوی عنداھل الحدیث. (۲)

ابو اسرائیل نے اس حدیث کو حکم بن عتیبہ سے نہیں سنا، بلکہ اسے حسن بن عمارہ سے روایت کیا ہے، انھوں نے حکم بن عتیبہ سے، اور ابو اسرائیل کا نام اسماعیل بن اسحاق ہے اور وہ اہلحدیث کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

غور کیجئے! تینوں جگہ ''اہلحدیث'' استعمال ہوا ہے، کیا کسی حدیث کی سند پر گفتگو کرنا، اس کے کسی راوی کے بارے میں قوی یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کرنا محدثین کا کام ہے، یا ہراَیرے غیرے نام کے ''اہلحدیث'' کا، جو بے چارہ حدیث کا معنیٰ بھی نہیں جانتا۔ اور شاید ''اہلحدیث'' کا ترجمہ بھی نہ کر سکے، اور یہ بھی نہ بتا سکے کہ ''اہلحدیث'' مرکب اضافی ہے یا مرکب توصیفی۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم یمانی الروض الباسم میں لکھتے ہیں:

اذمن المعلوم ان اھل الحدیث اسم لمن عنی بہ وانقطع فی طلبہ

اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ''اہلحدیث'' ان لوگوں کا نام ہے جنھوں نے حدیث پر

(۱) ترمذی ۱/۴۲ باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل (۲) ترمذی ۱/۴۹ باب ماجاء فی التثویب فی الفجر

كماقال بعضهم :

ان علم الحديث علم رجال

تركوا الابتداع للاتباع

فان جن ليلهم كتبوه

واذااصبحوا غدوا للسماع

فهٰولاء هم اهل الحديث من اى مذهب كانوا. (۱)

توجہ صرف کی، اس کی طلب میں خود کو کھپایا، جیسا کہ بعض حضرات نے (اس عربی شعر) میں کہا ہے

''علم حدیث'' مردوں کا علم ہے۔ان لوگوں نے اتباع سنت میں، بدعات کو چھوڑ دیا ہے، اگران پررات آتی ہے تو یہ حدیثیں لکھتے ہیں۔اور جب صبح کا وقت ہوتا ہے تو سویرے سویرے حدیث سننے چلے جاتے ہیں۔''

یہی لوگ اہلحدیث ہیں، کسی بھی مذہب کے ہوں۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ''اہلحدیث'' محدثین کہلاتے ہیں اور کتابوں میں یہ لفظ ''محدث'' ہی کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اور ہر مسلک و مذہب کے محدثین اس نام سے مُعَنْون ہو سکتے ہیں، یہ کسی گروہ یا فرقہ کا نام نہیں، بلکہ اہل علم کی ایک جماعت کا نام ہے جو علم حدیث کی تحصیل و تعلیم میں مشغول و مصروف رہے۔اب اگر موجودہ غیر مقلدین، کتب حدیث میں آئے ہوئے ''اہلحدیث'' اور ''اصحاب الحدیث'' کو اپنے لئے فٹ کریں، اور اُسی کو بنیاد بنا کر حدیث میں آئے ہوئے محدثین کے فضائل و مناقب اپنی جماعت پر منطبق کریں، تو یہ زیادتی کہلائے گی یا نہیں؟ !

آگے کی گفتگو ہم، محدثِ جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ کی معرکۃ الآراء کتاب ''تحقیقِ اہلحدیث'' کی روشنی میں پیش کرتے ہیں، تا کہ غیر مقلدین کا مغالطہ اچھی طرح سمجھ میں آسکے۔

---

(۱) الروض الباسم ۱/۱۲۲

''تحقیقِ اہلحدیث''

علمائے متقدمین کے یہاں دو اصطلاحیں معروف تھیں ایک اصحابُ الحدیث یا اہلُ الحدیث دوسری اصحابُ الرائے یا اہلُ الرائے۔ یہ دونوں اصطلاحیں علما کے دو طبقوں اوران کے کام کی نوعیت کو بتاتی تھیں۔ اصحابُ الحدیث وہ علماء کہلاتے تھے جو حفظِ حدیث اور روایتِ حدیث میں انہماک واشتغال رکھتے تھے، استنباط مسائل سے شغف نہ تھا اوراصحاب الرائے وہ علماء کہلاتے تھے جو استخراج واستنباطِ مسائل میں مشغول تھے اور حفظِ حدیث وروایتِ حدیث کی طرف ان کی زیادہ توجہ نہ تھی، بلکہ اُن احادیث سے مستنبط مسائل کی طرف ان کا زیادہ دھیان تھا۔ گویا محدثینِ کرام کو اصحابُ الحدیث یا اہلُ الحدیث کہا جاتا تھا اور فقہائے عظامؒ کو اصحابُ الرائے۔ (۱)

لیکن ہوا یہ کہ جو اصطلاح، محدثین کے لئے استعمال ہوتی تھی، غیر مقلد فرقہ نے وہ خود پر منطبق کرلی، اوراتنا ہی نہیں کیا۔ بلکہ احادیثِ کریمہ میں حفظِ حدیث اور روایتِ حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے لئے جو فضائل وارد ہوئے ہیں ان کا مصداق بھی خود کو قرار دینے لگا۔ اس سلسلے میں یہ لوگ اتنا آگے نکل گئے کہ ضعیف بلکہ موضوع احادیث سے بھی استدلال کرنے سے نہ چوکے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرت سریؒ جو غیر مقلدین کے شیخ الاسلام کہلاتے ہیں، نے خود تسلیم کیا ہے کہ آجکل کے تمام ''اہلحدیث'' محدثین والی اصطلاح کے ''اہلحدیث'' نہیں ہیں (۲)

---

(۱) اس موضوع پر حضرت مولانا محمد تقی عثمانیؒ صاحب نے ''درس ترمذی'' ج ا ص ۸۶ تا ص ۸۸ پر بڑی عمدہ بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اصحاب الرائے صرف اہل کوفہ اور فقہائے احناف نہ تھے بلکہ تمام مشتغلین بالفقہ کو اصحاب الرائے کہا جاتا تھا، البتہ فقہائے احناف اور اہل کوفہ کو استخراجِ مسائل میں جو خصوصی مہارت وممارست تھی، لہٰذا بعد میں اصحاب الرائے عام طور پر یہی حضرات کہلانے لگے۔ (۲) دیکھئے فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۱۳۵ تا ص ۱۳۷

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آج کل کے غیر مقلدین جو کہ اپنے آپ کو ''اہلحدیث'' کہتے ہیں، اپنے فضائل ومناقب میں وہ احادیث پیش کریں جن کا تعلق محدثین اور حفظ حدیث وروایتِ حدیث سے انہماک واشتغال رکھنے والوں سے ہو تو کیا یہ صحیح ہوگا؟

ہر معقولیت پسند یہی جواب دے گا کہ صحیح نہ ہوگا۔ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی یہی کہے گا کہ یہ احادیث کو غلط محل میں استعمال کرنا ہے، لیکن مقامِ تعجب ہے کہ اپنے فرقہ کے فضائل ومناقب میں وہ ساری حدیثیں، غیر مقلدین کے تمام چھوٹے بڑے علماء بے جھجک استعمال کرتے چلے آرہے ہیں اور بار بار توجہ دلانے کے باوجود باز آنے کے لئے تیار نہیں۔

آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس مئو آئمہ الٰہ آباد منعقدہ اپریل ۴۳ء کے خطبۂ صدارت میں مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی نے اپنے فرقہ کے فضائل میں جو بے بنیاد دعوے کئے تھے، ان میں سے چند یہ تھے۔

۱:- اہلحدیث نام پیغمبر علیہ السلام کا مقرر فرمایا ہوا ہے، ثبوت میں یہ حدیث پیش کی کہ ''قیامت میں اہلحدیث سیاہی دواتوں سمیت آئیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے فرمائے گا تم اہلحدیث ہو، جنت میں جاؤ۔''

۲:- یہ نام صحابۂ کرام کا قبول کردہ ہے چنانچہ (الف) حضرت ابوہریرہؓ نے اپنے کو اہلحدیث کہا، (ب) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اہلحدیث کہا گیا۔ (ج) امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ تمام صحابہؓ اہلحدیث تھے (د) سفیان ابن عیینہؒ نے لکھا ہے کہ پہلے پہل امام ابوحنیفہؒ نے ہی مجھ کو اہل حدیث بنایا۔

یہ اور اِن جیسے دیگر دعووں کی حقیقت اجاگر کرنے کے لئے محدث جلیل حضرت

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خطبۂ صدارت پر تفصیلی نگاہ ڈالی اور ''تحقیقِ اہلحدیث'' کے نام سے محققانہ تنقید فرمائی۔ پہلی بات کے جواب میں لکھا کہ:

''یہ حدیث جعلی ہے اور جعلی حدیث سے سند پکڑنا بالاتفاق حرام ہے''

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''لطف یہ کہ اس حدیث کو مقلد علماء (ذہبیؒ، خطیبؒ، سیوطیؒ) نے تو موضوع لکھا ہی ہے، ایک غیر مقلد ''امام'' نے بھی اس کو موضوعات (جعلی حدیثوں) میں شمار کیا ہے۔ علامہ شوکانی کی کتاب الفوائد المجموعہ ص ۳۰ ملاحظہ کیجئے۔ اور مقلدین کی تحقیق دیکھنی ہو تو لآلی مصنوعہ ج ا ص ۱۱۲ میں یہ تصریح پڑھئے قال الخطیب موضوع (الیٰ) قال فی المیزان وضع هذا الحدیث علی الطبرانی۔ یعنی خطیب نے کہا ہے کہ یہ حدیث جعلی ہے .... میزان میں کہا (رقی نے) اس حدیث کو طبرانی کے نام پر بنالیا ہے۔''(۱)

دوسروں سے ہر ہر مسئلہ پر حدیثِ صحیح مرفوع متصل کا مطالبہ کرنے والے اپنے مطلب کے لئے جعلی اور موضوع حدیث کتنی شان سے پیش کرتے ہیں یہ اس کی انتہائی عبرت ناک مثال ہے، بہرحال محدثِ اعظمیؒ لکھتے ہیں:

''پھر اگر بالفرض یہ حدیث جعلی نہ بھی ہوتی تب بھی اس سے مولوی ابوالقاسم کا مدعا حاصل نہیں ہوسکتا تھا، اس لئے کہ اس میں اصحاب الحدیث کا جو لفظ واقع ہوا ہے اس سے تارکینِ تقلید کی وہ جماعت جو براہ راست عمل بالحدیث کی مدعی ہو، مراد نہیں ہے، بلکہ اہلِ علم کی وہ جماعت مراد ہے جو کتابت و درسِ حدیث کا مشغلہ رکھتی ہو، چنانچہ اس کی بیّن دلیل بایدیهم المحابر کا لفظ ہے یعنی ''ان کے ہاتھوں میں دواتیں ہوں گی'' ظاہر ہے کہ دواتیں ہاتھوں میں لئے ہوئے آنا کتابت کا مشغلہ رکھنے والے ہی کا کام ہوسکتا ہے،

---

(۱) تحقیق اہلحدیث ص ۴ مطبوعہ احناف دارالاشاعت والتبلیغ مئو آئمہ الہ آباد۔

دوسری بین دلیل یہ ہے کہ یہ جعلی حدیث ان الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے تحشر اللہ اصحاب الحدیث واھل العلم (یعنی اللہ، حدیث اور علم والوں کو محشور فرمائے گا) لآلی مصنوعہ ج اص ۱۱۳، دیکھئے اس میں اصحاب الحدیث کے ساتھ اہل العلم کہہ کر واضح کردیا گیا ہے کہ اصحاب حدیث سے مراد علمائے حدیث اور اس کے لکھنے پڑھنے والے ہیں۔

تیسری بیّن دلیل اس جعلی حدیث کے وہ الفاظ ہیں جن کو مولوی ابوالقاسم صاحب نے کسی مصلحت کی وجہ سے چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ ہیں طالما کنتم تصلون علی النبی فی الدنیا یعنی اللہ تعالیٰ اصحاب الحدیث کو یہ کہہ کر جنت میں بھیجے گا کہ تم ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر دنیا میں درود بہت پڑھتے رہے، دیکھئے یہ الفاظ بھی ظاہر کررہے ہیں کہ اصحابُ الحدیث سے حدیث لکھنے پڑھنے والے مراد ہیں اس لئے کہ کثرتِ درود انھیں کا مشغلہ ہے چاہے کتابۃً یا تلفظاً، نیز ان الفاظ سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ ان کے جنتی ہونے کا سبب ''ترکِ تقلید'' یا ''ادعائے عمل بالحدیث'' نہیں ہے بلکہ کثرتِ درود، اور مولوی ابوالقاسم صاحب خود بھی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ کثرتِ درود مقلدین کا مشغلہ ہے یا غیر مقلدین کا۔

میں نے اس جعلی حدیث کے الفاظ اصحابُ الحدیث کی جو مراد لکھی ہے وہی امام ذہبیؒ کے کلام سے بھی ظاہر ہوتی ہے، اس لئے کہ انھوں نے اس حدیث کو حدیث فی حشر العلماء بالمحابر کے عنوان سے یاد کیا ہے'' (دیکھو میزان ذہبی) (۱)

دوسرا دعویٰ جو صحابۂ کرامؓ کے ''اہلحدیث'' ہونے کا تھا اس کے **متعلق محدثِ جلیلؒ تحریر فرماتے ہیں:**

''اِن تمام حوالوں میں بھی اصحابُ الحدیث یا اہلحدیث سے وہی حدیثوں کی روایت کرنے والے یا ان کو یاد کرنے والے، درس دینے والے اور لکھنے والے مراد ہیں،

(۱) تحقیق اہلحدیث ص ۵،۶

تارکینِ تقلید یا مدعیانِ عمل بالحدیث کسی طرح مراد نہیں ہو سکتے، چنانچہ اس سلسلے میں پہلی بات انھوں نے یہ لکھی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے اپنے کو اہلحدیث کہا، لیکن افسوس ہے کہ پوری بات نہیں لکھی۔ ورنہ صاف کھل جاتا کہ اہلحدیث سے حضرت ابو ہریرہؓ کی مراد کیا ہے، مولوی صاحب نے اس کے لئے تاریخ خطیب وتذکرہ کے جس مقام کا حوالہ دیا ہے اس مقام میں ابوبکر بن ابی داؤد کا ایک خواب مذکور ہیکہ ابوبکر بن ابی داؤد جس زمانہ میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کی تصنیف میں مصروف تھے اسی زمانہ میں انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو خواب میں دیکھا گھنی ڈاڑھی، گندمی رنگ، موٹے کپڑے پہنے ہوئے، ابوبکر کہتے ہیں کہ میں نے ان کو دیکھ کر کہا ''مجھے جناب سے محبت ہے'' انھوں نے جواب دیا کہ میں دنیا میں پہلا صاحبِ حدیث ہوں۔''

اس پورے واقعہ کو سامنے رکھ کر اب مولوی ابوالقاسم صاحب ہی بتائیں کہ اگر صاحبِ حدیث سے ان کے اصطلاحی معنیٰ یعنی عامل بالحدیث مراد ہیں تو کیا حضرت ابو ہریرہؓ سے پہلے صحابہ میں کوئی عامل بالحدیث نہیں تھا؟ یا مولوی صاحب کے لفظوں میں یہ کہ ''جس طرح حدیث کو جماعتِ اہلحدیث نے اپنا پروگرام بنایا ہے۔ اس طرح حضرتِ ابو ہریرہؓ سے پہلے کسی صحابی نے نہیں بنایا تھا۔'' میں سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب یہ کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا صاحبِ حدیث کے وہ معنیٰ یہاں نہیں ہو سکتے جو مولوی صاحب کہتے ہیں بلکہ صاحبِ حدیث کے معنیٰ وہی ہیں کہ حفظِ حدیث و روایتِ حدیث کا مشغلہ رکھنے والا، اور کچھ شبہ نہیں کہ حضرتِ ابو ہریرہؓ کو جماعتِ صحابہؓ میں اہتمامِ حفظِ حدیث وکثرتِ روایت وغیرہما کے لحاظ سے اوّلیت کا درجہ حاصل ہے اور اس معنیٰ کے لئے ایک کھلا ہوا قرینہ یہ ہے کہ تصنیفِ حدیث کے وقت یہ خواب نظر آیا، ترکِ تقلید یا عمل بالحدیث کے وقت نہیں۔'' (۱)

---

(۱) کتاب مذکورہ ص ٦ و ٧، یہاں یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ خواب کا واقعہ ہے اور خواب صرف نبی کا حجت ہے، غیر نبی کا خواب دلیل شرعی نہیں ہے۔ لہٰذا حضرت ابو ہریرہؓ نے خود کو دنیا کا پہلا صاحبِ حدیث کہا تھا یا نہیں؟ یہ جملہ شرعاً ثابت نہ ہوگا۔

پھر محدث اعظمیؒ فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین کے دلائل کا حال دیکھئے کہ کہیں موضوع حدیث سے استدلال کرتے ہیں، کہیں ایسے خواب سے جو حضرت ابوہریرہؓ کی وفات کے کئی صدی بعد کا ہے، دلائل کی قوت کا اندازہ اسی سے ہوجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو اہلحدیث کہے جانے کے دعوے کے متعلق محدث اعظمیؒ فرماتے ہیں:

''تاریخِ بغداد کی عبارت یہ ہے اصحاب الحدیث ثلثة عبدالله بن عباس فی زمانه والشعبی فی زمانه والثوری فی زمانه یعنی اصحاب الحدیث تین ہیں ابن عباسؓ اپنے زمانہ میں اور شعبیؒ اپنے زمانہ میں اور ثوریؒ اپنے زمانہ میں۔ دیکھئے! اس عبارت میں اگر اصحابُ الحدیث سے اہلحدیث مراد لئے جائیں تو جس طرح اس سے ابن عباسؓ کا اہلحدیث ہونا ثابت ہوگا، اسی سے یہ بھی ثابت ہوگا کہ ابن عباسؓ کے زمانے سے لے کر ثوریؒ کے زمانہ تک، صرف تین ہی اہلحدیث ہوئے لہٰذا اسی صفحہ ۵ میں مولوی ابوالقاسم صاحب کا یہ لکھنا غلط ہوگیا کہ تمام صحابہ اہلحدیث تھے'' اور ''صحابہ وتابعین سب اہلحدیث تھے۔''(۱)

مزید لکھتے ہیں:

''اس سلسلے میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام شعبیؒ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ اہلحدیث تھے، ص۵، مولوی صاحب نے اس کے لئے تذکرۃ الحفاظ ص۷۲ ج۱ کا حوالہ دیا ہے حالانکہ تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۷۲ تو درکنار دس بیس صفحے آگے پیچھے بھی یہ مضمون نہیں ہے۔''(۲)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مولانا ابوالقاسم صاحب کے دعویٰ کی حقیقت بتاتے ہوئے حضرت محدث اعظمیؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) کتاب مذکور ص۱۱۔ (۲) ایضاً۔

''اگر مولوی صاحب کی نظر وسیع ہوتی تو اسی ایک بات سے ان کی سمجھ میں آ سکتا تھا کہ کتابوں میں اہل الحدیث کے لفظ سے کیا مراد ہوا کرتی ہے مولوی صاحب اگر احسان مانیں تو میں ان کو بتاؤں کہ جو فقرہ انھوں نے لکھا ہے، وہ اول من صیّرنی محدثا ابو حنیفة کا ترجمہ ہے۔

سفیان ابن عیینہؒ کا مقولہ تاریخ ابن خلکان ج۱ص۲۱۱ میں انھیں الفاظ میں مذکور ہے، ترجمہ کرنے والے نے محدث کا ترجمہ اہل الحدیث کر دیا، پس جب اہل حدیث بنانے سے محدث بنانا مراد ہے تو مولوی ابوالقاسم صاحب نے بعد میں جو فقرہ اپنی طرف سے لکھا ہے (۱) وہ یوں ہونا چاہئے کہ'' امام اعظم محدث تھے اور دوسروں کو (بلکہ سفیان ابن عیینہؒ جیسوں کو بھی) محدث بنایا کرتے تھے'' ۔ (۲)

یہ چند نمونے تھے جس سے پتہ چلا کہ غیر مقلد علماء کس کس طرح تلبیس کرتے تھے اور حضرت محدثِ جلیل علیہ الرحمۃ نے ان کی خوب خوب قلعی کھولی، مولانا ابوالقاسم صاحب نے جن جن حضرات کے متعلق دعویٰ کیا تھا کہ وہ انھیں کی طرح فرقۂ اہلحدیث سے تعلق رکھتے تھے، ہر ایک کی حقیقت واضح کی۔

ہماری تلاش و جستجو کے مطابق کسی غیر مقلد عالم کو ''تحقیقِ اہلحدیث'' کا جواب لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی اگر کوئی صاحب دعویدار ہوں تو پیش کریں ہم اس کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ غیر جانبدارانہ محاکمہ ہو سکے اور دیکھا جا سکے کہ مولانا ابوالقاسم صاحب و دیگر غیر مقلد علماء کی اِن تلبیسات کا کیا جواب دیا گیا ہے۔

اہلحدیث کس کو کہتے ہیں؟

اب محدث جلیلؒ کی وہ عبارت ملاحظہ فرمائیں جو انھوں نے ''اہلحدیث کس کو

(۱) یعنی یہ فقرہ ''امام اعظم اہلحدیث تھے اور دوسروں کو اہلحدیث بنایا کرتے تھے'' یہ فقرہ بدل کر اہلحدیث کی جگہ ''محدث'' ہونا چاہئے تاکہ مراد صحیح رہے۔ (۲) کتاب مذکور ص۱۴و۱۵۔

کہتے ہیں؟'' کے عنوان کے تحت رقم فرمائی ہے:

''اصل یہ ہے کہ آج اہلحدیث اس کو کہتے ہیں جو عامی، غیر مجتہد ہونے کے باوجود کسی امام کی تقلید واتباع کا قائل نہ ہو، ہمارا دعویٰ ہے کہ اہلحدیث کی یہ اصطلاح بالکل حادث وبدعت ہے، اس معنیٰ میں کبھی کسی کو اہلحدیث نہیں کہا گیا اور ایسے اہلحدیث کا وجود بجز اس دورِ متاخر کے اور کبھی نہ تھا۔

مولوی ابوالقاسم صاحب نے زمانہ قدیم میں جن لوگوں کا اہلحدیث ہونا دکھایا ہے وہ یا تو اہلحدیث بمعنیٰ راوی وخادم تھے یا اہلحدیث بمعنیٰ شافعی المذہب ومالکی المذہب تھے یا اہلحدیث بمعنیٰ اہلِ سنت وجماعت تھے، لفظ ''اہلحدیث'' کا ان تین معنوں میں بولا جانا ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں، بلکہ خود مولوی ابوالقاسم صاحب کے بیانات سے بھی یہ ثابت ہے، لہٰذا اب تک انھوں نے جو محنت کی ہے وہ تو سب اکارت گئی، اب کوشش کر کے متقدمین کی کتابوں سے کوئی ایسی عبارت پیش کریں جس میں ''عامی غیر مقلد'' کو اہلحدیث کہا گیا ہو۔''(۱)

فرقۂ غیر مقلدین کی طرف سے ایسی کوئی عبارت آج تک نہ پیش کی جاسکی، آج بھی اگر کوئی غیر مقلد اپنی جماعت کے فضائل ومناقب بیان کرنے یا لکھنے پر آتا ہے تو وہی ساری عبارتیں پیش کر دیتا ہے جو مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی نے آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس مئو آئمہ کے اپنے خطبۂ صدارت میں درج کی تھیں جن کی حقیقت، حضرت محدث اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ تنقید سے واشگاف ہو چکی ہے۔



(۱) تحقیق اہلحدیث ص ۴۰۔

اہل حدیث اور حدیث

اہل حدیث علماء اپنا نام ''اہلِ حدیث'' رکھنے کی وجہ کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں گویا حدیث کو دستور العمل صرف انھوں نے ہی بنایا ہے، اور حدیث نبوی کو مکمل طور پر اپنانے والے صرف یہی حضرات ہیں۔

اہلحدیث حضرات کے اس قسم کے چند دعوے ملاحظہ کیجئے:

''اہلحدیث لقب کے یہ معنیٰ ہیں کہ احادیثِ رسولؐ پر عمل کرنے والے، یہی معنیٰ ہیں۔ ع

کسی کا ہو رہے کوئی ☆ نبی کے ہو رہے ہیں ہم''

(اسلام اور اہلحدیث ص ۱۴)

ایک دوسرے صاحب عربی کا ایک شعر نقل کرنے کے بعد اہلحدیث کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یعنی شب و روز احادیثِ نبویہ ان کے وردِ زبان اور دستور العمل ہیں۔''

(فتاویٰ ثنائیہ جلد دوم ص ۳۹۷)

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اہلِحدیث کا اصل اصول یہ ہے کہ

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ بر جاں مسلّم داشتن

(کتابِ مذکور ص ۳۹۹)

اور اپنا مسلک وعقیدہ ثابت کرنے کے لئے یہ شعر بھی بار بار پیش کیا جاتا ہے

ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار
مت دیکھ کسی کا قول و قرار

(کتاب مذکور ص ۳۹۷ وغیرہ)

مگر سوال یہ ہے کہ حدیث نبوی کو دستور العمل بنانے اور ان پر عمل کرنے والے صرف آپ ہی ہیں، ائمہ اربعہ کے مقلد نہیں؟ کیا صرف آپ نے ہی جان ودل سے حدیثِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رکھا ہے، بقیہ حضرات نے نہیں؟

حالانکہ اس دعوے کا کھوکھلا پن اظہر من الشمس ہے لیکن ہم مزید مؤکد کرنے کے لئے مشہور اہلحدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرت سریؒ کا حوالہ دیں گے، مولانا امرت سریؒ ائمۂ اربعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ ان مذاہب کے اصل الاصول وہی ہیں جو صحابہؓ کے زمانہ میں تھے یعنی یہ چاروں مذاہب قرآن وحدیث کو دستور العمل جانتے ہیں، بحمد اللہ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (اسلام اور اہل حدیث ص ۱۱)

بہر حال اہلحدیث حضرات کے مذکورہ بالا دعووں کی روشنی میں چند سوالات پیدا ہوئے ہیں، جنھیں ہم یہاں بالترتیب پیش کر رہے ہیں۔

کیا اہلِ حدیث تمام احادیث پر عمل کرتے ہیں؟

احناف پر اہلحدیث حضرات کا یہ الزام ہے کہ ''یہ لوگ اپنے امام کے قول کے سامنے حدیث نبوی کو بھی چھوڑ دیتے ہیں۔'' حالانکہ یہ الزام سراسر الزام ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی قول بظاہر کسی حدیث کے خلاف نظر آتا ہے تو وہ کسی دوسری حدیث کے موافق ضرور ہوتا ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒ بھی کسی حدیث ہی کی

روشنی میں کوئی قول اختیار کرتے ہیں(۱) اور کسی حدیث کو ترک کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک وہ حدیث منسوخ یا ضعیف یا کسی اور بنا پر قابل استدلال نہیں ہوتی۔

یہ اصول تنہا امام صاحب کا نہیں، اہلحدیث بھی اسی پر عمل پیرا ہیں، وہ بھی ایک حدیث کو لیتے ہیں تو دوسری کو چھوڑ دیتے ہیں، اس اعتبار سے ان کا قول بھی اس حدیث کے خلاف ہوتا ہے جسے وہ چھوڑ دیتے ہیں۔(۲) اور چھوڑنے کی جو وجہ وہ بتائیں گے وہی وجہ ہماری بھی ہوگی۔ ایک حدیث آپ کی تحقیق کے اعتبار سے قابلِ استدلال ہے، ہماری تحقیق کے اعتبار سے نہیں، ایک حدیث کا مطلب آپ کی تحقیق کی رو سے کچھ اور ہے اور ہماری تحقیق کی رو سے کچھ اور؟ پھر آپ تو ترکِ حدیث کے ملزم نہ ہوں اور احناف ترکِ حدیث کے ملزم گردانے جائیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟

تمام احادیث پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں اور نہ کسی کے نزدیک یہ جائز ہی ہے۔ کیوں کہ احادیث کی مختلف قسمیں ہیں، ان میں منسوخ ومتروک بھی ہوتی ہیں اور قابلِ استدلال اور لائقِ عمل بھی، قوی بھی ہوتی ہیں، ضعیف بھی، مسند بھی، منقطع بھی، شاذ بھی، محفوظ بھی، مردود بھی، موضوع بھی، معلل بھی، مضطرب ومدلس بھی ہے اور آپس میں متعارض بھی، ظاہر ہے کہ احادیث کی ان تمام قسموں پر عمل کرنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ اور نہ آج تک کسی نے کیا ہے۔ لہٰذا جو بھی احادیث پر عمل کرے گا، کچھ نہ کچھ حدیثیں ضرور ہی متروک ہوں گی۔ خواہ وہ اپنی قوتِ اجتہاد وتحقیق کے اعتبار سے احادیث کو لینے اور ترک کرنے کی جو بنیاد بھی مقرر کرے۔ اور ضروری نہیں کہ اس کی بنیاد، دوسروں کو بھی قبول ہو، لہٰذا

---

(۱) مثلاً تفصیل کے لئے دیکھئے اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم اور راقم الحروف کی کتاب ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز'' ان دونوں کتابوں میں وہ احادیث درج ہیں جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اقوال کی مستدل ہیں، نیز عربی داں حضرات ملاحظہ کریں آثار السنن، اعلاء السنن، الزجاجہ، اور ہدایہ، بدائع، اور مبسوط وغیرہ (۲) اہلحدیث حضرات نے جن احادیث کو چھوڑ دیا ہے ان میں سے چند کا ذکر ص۸۳ پر آرہا ہے۔

دوسروں کی تحقیق کے اعتبار سے وہ بہت سی احادیث کا تارک ہوگا اور دوسرے اس کی تحقیق کے اعتبار سے بہت سی احادیث کے تارک ہوں گے، لیکن ان میں سے کسی کو یہ حق نہ ہوگا کہ خود کو حدیث پر عمل کرنے والا ثابت کرے اور دوسرے کو حدیث کا ترک کرنے والا۔ کیوں کہ یہ الزام اگر عائد ہوگا تو دونوں ہی پر، ورنہ کسی پر نہیں۔

ایک امام یا مجتہد کسی حدیث کو کن اعذار کی بنیاد پر ترک کر دیتا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے اجمالاً اس کی تین صورتیں بیان کی ہیں:

احدها عدم اعتقاد ان النبی ﷺ قاله والثانی عدم اعتقاده ارادة تلک المسئلة بذالک القول والثالث اعتقادہٗ ان ذالک الحکم منسوخ

(رفع الملام ص ۱۱)

ایک یہ کہ وہ اس بات کا قائل ہی نہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔ دوم وہ اس کا قائل نہیں لہ آنحضرت ﷺ نے اس ارشاد سے یہ مسئلہ مراد لیا ہے، سوم اس کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

اہلحدیث علماء جو خود کو بہت بڑا عامل بالحدیث کہتے اور دوسروں پر ترکِ حدیث کا الزام رکھتے ہیں، کیا ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ تمام احادیثِ کریمہ پر عمل کرتے ہیں؟ ضعیف وموقوف روایتوں کی بات چھوڑ دیئے، کیا وہ تمام صحیح الاسناد مرفوع احادیث پر عمل پیرا ہیں؟ اور کسی بھی صحیح الاسناد حدیثِ مرفوع کو چھوڑا نہیں ہے؟

خوفِ خدا رکھنے والا کوئی اہلحدیث عالم اس کا جواب ’’ہاں‘‘ میں نہیں دے سکتا۔ اور اگر ’’ہاں‘‘ میں جواب دیتا ہے تو اسے اس کتاب کا صفحہ ۱۳۳ دکھلا دیجئے جو اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اس کے علاوہ بہت سی منسوخ احادیث بھی صحیح الاسناد مرفوع متصل ہوتی ہیں ’’ہاں‘‘ کے جواب کے بعد ان پر عمل کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر کوئی صورت نہ

ہوگی اور بلاشبہہ نہ ہوگی، تو ان صحیح الاسناد احادیثِ مرفوعہ کا ترک ہوا یا نہیں؟۔

خلاصہ یہ کہ ترکِ حدیث سے دامن بچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حدیث پر عمل کرنے میں آگے کون؟

حدیث پر عمل کرنے میں سب سے آگے کون ہے؟ احناف یا اہلحدیث؟ اہلحدیث حضرات نے جو پروپیگنڈہ کر رکھا ہے اس میں تو بس وہی وہ نظر آتے ہیں۔ مگر آیئے گہرائی کے ساتھ حقیقت کا جائزہ لیں۔

حدیث کی ایک قسم ہے ''مرسل''

وصورتہٗ ان یقول التابعی سواء کان کبیراً اوصغیراً : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ وسلم کذا اوفعل کذا او فعل بحضرتہٖ کذا اونحو ذالک.

اس کی صورت یہ ہے کہ تابعی، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، کہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا، یا ایسے کیا، یا آپ کی موجودگی میں ایسا کیا گیا وغیرہ وغیرہ۔

(شرح نخبۃ الفکر ص ۵۱)

حدیث کی یہ قسم اہلحدیث علماء کے نزدیک حجت نہیں، وہ اسے بے حد آسانی سے چھوڑ دیتے ہیں مگر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حدیث مرسل کو مطلقاً قبول کرتے ہیں، علامہ جزائریؒ کے حوالہ سے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:

وقال بعض الأئمۃ الحدیث المرسل صحیح یحتج بہ وھو مذھب أبی حنیفۃ ومالک واحمد فی روایتہ المشھورۃ

کہا بعض ائمہ حدیث نے کہ مرسل حدیث صحیح ہے اور اس سے حجت پکڑی جائے گی، یہی امام ابوحنیفہؒ اور امامِ مالکؒ کا مذہب ہے مشہور روایت کے مطابق یہی امام احمد

حکاھا النووی وابن القیم وابن کثیر وغیرھم وجماعة من المحدثین حکاھا النووی فی شرح المھذب فی شرح المھذب عن کثیرین من الفقھاء اواکثرھم قال ونقله الغزالی عن الجماھیر. (مقدمہ فتح الملہم ص ۳۴)	بن حنبلؒ کا بھی مذہب ہے۔ بیان کیا ہے اسے علامہ نوویؒ، ابن قیمؒ، ابن کثیر وغیرہ اور محدثین کی ایک جماعت نے، اور بیان کیا اسے علامہ نوویؒ نے شرح المہذب میں بہت سے فقہاء (یا یوں کہیے کہ) اکثر فقہاء سے اور کہا کہ امام غزالیؒ نے اسے جمہور علماء سے نقل کیا ہے۔

شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

وعند ابی حنیفة ومالک المرسل مقبول مطلقاً (ص ۴)	امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک مرسل مطلقاً مقبول ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ شارح بخاری لکھتے ہیں:

وثانیھما وھو قول المالکیین والکوفیین یقبل مطلقاً (شرح نخبة الفکر ص ۵۱)	دوسرا قول جو کہ مالکیوں اور کوفیوں کا ہے، یہ ہے کہ مرسل مطلقاً قبول کی جائے گی۔

اِسی طرح احناف کے یہاں حدیثِ موقوف کی بھی اہمیت ہے (۱) مگر اہلحدیث علماء اپنے قیاس و عقل کے آگے نہ حدیثِ مرسل پر عمل کرتے نہ حدیثِ موقوف پر۔ بلکہ یہ حضرات اس حدیث کی حیثیت کو بھی گھٹاتے ہیں جو حکماً مرفوع ہوتی ہے (۲) اگرچہ لفظاً موقوف ہو۔

ظاہر ہے کہ جو حضرات حدیث کی تین مستقل اور اہم قسموں کو ترک کردیں وہ حدیث شریف پر عمل کرنے کے معاملے میں آگے نہیں کہے جاسکتے۔

---

(۱) حدیث موقوف وہ حدیث کہلاتی ہے، جس کا سلسلۂ سند صحابی تک پہنچے۔ (۲) حکماً مرفوع وہ حدیث کہلاتی ہے، جو صحابی کا قول ہو مگر نہ تو اسرائیلیات سے ہو، نہ اجتہاد سے، نہ لغت و شرحِ لفظ سے۔ شرح نخبة الفکر ص ۷۶

مولانا ثناء اللہ صاحب امرت سری کا

''ایک علمی سوال''

اور اس کا جواب

مولانا ثناء اللہ صاحب امرت سریؒ نے اپنے اخبار اہلحدیث ۵؍دسمبر ۱۹۴۳ء میں علمائے دیوبند سے ایک سوال کیا جس کا عنوان رکھا ''ایک علمی سوال'' (۱) اس میں تقلید کی تعریف میں کچھ عبارتیں نقل کرنے کے بعد علمائے دیوبند کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ آپ لوگ مسائل دینیہ کو بالدلیل جانتے ہیں، ایسا جانتے ہیں کہ نہ صرف طلباء کو سمجھانے کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ ان کو عالم بالدلیل بناتے ہیں۔ تو کیا آپ حضرات کی علمی حیثیت کو ملحوظ رکھکر آپ کو مقلد کہا جائے یا غیر؟ یہ ایک سوال ہے۔ جس کے لئے میں نے آپ حضرات کو متوجہ کیا ہے، میں اپنا عندیہ عرض کئے دیتا ہوں۔ کسی شخص کو مقلد کہنا اس کے عالم ہونے کی نفی کے برابر ہے اس لئے آپ حضرات کو مقلد کہنے سے علاوہ تعریفاتِ مذکورہ کے مجھے امام غزالیؒ سخت مانع ہوئے ہیں۔ گویا وہ فرماتے ہیں کہ دیوبند کے علماء چونکہ مسائل کو دلیل کے ساتھ جانتے ہیں اس لئے ان کو مقلد نہ کہو۔ کیوں کہ (لیس ذالك التقليد طريقا الى العلم لافى الاصول ولافى الفروع. حوالۂ مذکور)

---

(۱) فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۱۵۱ تا ص ۱۵۳ یہ سوال موجود ہے، ہم نے وہیں سے نقل کیا ہے۔

تقلید علم کا درجہ نہیں ہے اور نہ علم (۱) کا ہے، بلکہ جہالت کا درجہ ہے، یہی معنیٰ ہیں علماء اصول کے اس قول کے:

انما التقلید وظیفة الجاهل. پس آپ حضرات اِن اصولی حوالجات کے ماتحت اعلان فرمائیں کہ آپ کو مقلد کہیں یا غیر۔ بینوا توجروا.

پس اب اس امر کا فیصلہ کہ آپ کو مقلد کہیں یا غیر۔ آپ حضرات کے جواب پر موقوف ہے۔"(۲)

مولانا امرت سریؒ نے اس سوال کے ذریعہ اپنی دانست میں علمائے دیوبند کو بری طرح گھیر لیا تھا، سب جانتے ہیں علمائے دیوبند خود کو امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد کہتے ہیں اور غیر مقلدیت ان کے نزدیک گمراہی کا راستہ ہے۔ دوسری طرف تقلید کی مذکور فی السوال تعریفات سے، مقلد سے علم کی نفی اور تقلید جاہلوں کا طریقہ ثابت ہوتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بھی علمائے دیوبند کے ہرگز شایانِ شان نہ تھا۔

مولانا امرت سریؒ کو اس سوال پر اتنا ناز تھا اور اسے اتنا "لاجواب" سمجھتے تھے کہ نہ صرف علمائے دیوبند بلکہ عالم اسلام کے تمام علمائے مقلدین شوافع، مالکیہ. حنابلہ تک کو چیلنج کر دیا۔

دیکھئے طمطراق کا یہ انداز !

"اِس مضمون کو میں نے بوجہ خاص خطاب حضراتِ دیوبندیہ سے کیا ہے مگر دراصل یہ خطاب جملہ اُن علمائے کو ہے جو مسائل دینیہ کو دلیل کے ساتھ جانتے ہوں، خواہ وہ بریلی کے ہوں یا لکھنؤ کے، دہلی کے ہوں یا لاہور کے، پنجاب کے ہوں یا ہندوستان کے، سندھ کے ہوں یا بنگال کے، عرب کے ہوں یا عجم کے، سب میرے مخاطب ہیں۔ وہ علماء اصول

---

(۱) یہاں "اہلِ علم" ہونا چاہئے لیکن فتاویٰ ثنائیہ میں اسی طرح چھپا ہے (۲) فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۱۵۲۔

کی تصریحات ملحوظ رکھ کر اپنے لئے جو نام تجویز فرمائیں ہم اس کو قبول کریں گے۔" (۱)

مولانا امرت سریؒ کے اِس "علمی سوال" کا جب محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ نور اللہ مرقدہ نے جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ جس سوال کو مولانا امرت سریؒ نے لاینحل اور بے انتہا مشکل جانا تھا، جس کے بارے میں اُن کا تصور تھا کہ کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ وہ انتہائی کمزور اور بے حیثیت نکلا۔

محدثِ جلیلؒ کا جواب نقل کرنے سے پہلے ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ مولانا امرت سری کی غلط فہمی کی بنیاد کیا تھی۔

دراصل تقلید کی تعریفات میں علم کی نفی سے "علم اجتہادی" کی نفی تھی۔ نہ کہ مطلقاً علم کی۔ یعنی مقلّد کو ملکۂ اجتہاد حاصل نہیں ہوتا اور یہ بلا شک وشبہ صحیح ہے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ مقلد کو دلیل کا قطعی علم ہی نہیں ہوتا۔ درست نہیں۔ اسی طرح بعض اصولیین نے مجتہد کے لئے "عالم" کا لفظ استعمال کیا ہے، اب ظاہر ہے کہ مقلد کے لئے "عالم" کے بالمقابل "جاہل"، ہی بولا جائے گا، اسی اعتبار سے تقلید کو "جاہل"، یعنی غیر مجتہد کا طریقہ عمل بتایا گیا۔ لیکن یہ "عالم" و "جاہل" ایک خاص اصطلاح کے "عالم" و "جاہل" ہوئے، نہ کہ ہماری عرفی اصطلاح کے عالم و جاہل۔

مولانا ثناء اللہ امرت سریؒ یا تو اِس فرق کو سمجھ نہ سکے یا پھر جان بوجھ کر مغالطہ دے رہے تھے۔

اب محدث جلیل علیہ الرحمۃ کا جواب ملاحظہ کیجئے (۲)

---

(۱) فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۱۵۲ (۲) یہ جواب ایک اشتہار کی شکل میں ہے جس کا عنوان ہے "مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے علمی سوال کا جواب باصواب" اس پر جواب دہندہ کی حیثیت سے سکریٹری جمعیۃ الاحناف مؤضلع اعظم گڑھ (یوپی) چھپا ہوا ہے سکریٹری جمعیۃ الاحناف دراصل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمیؒ ہیں چونکہ حضرت کی حیات میں راقم الحروف کو نام کی تصریح کی اجازت مل گئی تھی اس لئے بالصراحت نام لکھ رہا ہوں۔

''مولوی ثناء اللہ صاحب نے اصول فقہ کی کتابوں سے تقلید کی تعریف میں کچھ عربی عبارتیں نقل کر کے یہ سوال قائم کیا ہے کہ علمائے حنفیہ جو مسائل کے دلائل جانتے ہیں ان پر تقلید کی تعریف، جو اصول کی کتابوں میں درج ہے، صادق نہیں اور نہ ان کو مقلد کہنا درست ہے۔

مولوی صاحب کا یہ سوال اِس خوش فہمی پرمبنی ہے کہ من غیر معرفة دليله میں معرفت سے مطلق جاننا اور سمجھنا مراد ہے، اسی وجہ سے آپ کو سمجھ میں نہیں آتا کہ مجتہد کے بیان کئے ہوئے مسائل کو جاننے والا اُن مسائل کے دلائل پڑھنے اور جاننے کے بعد مقلد کیوں کر کہلا سکتا ہے، حالانکہ اگر اصول فقہ کی کتابوں پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ معرفت، مطلق جاننے کا ہم معنیٰ نہیں۔ بلکہ معرفتِ دلیل سے دلیل کا وہ خاص علم مراد ہے جو مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے۔ شرح جمع الجوامع سے تقلید کی تعریف کی تفریع ذکر کرنے کے لئے مولوی صاحب نے جو مختصر سا ٹکڑا نقل کیا ہے اس کے متصل یہ عبارت ہے لأن معرفة الدليل انما تكون للمجتهد لتوقفها علىٰ سلامته عن المعارض بناء علىٰ وجوب البحث عنه وهى متوقفة علىٰ استقراء الأدلة كلّها ولا يقدر علىٰ ذالك الا المجتهد یعنی معرفت، موقوف ہے اس بات کی معرفت پر کہ یہ دلیل معارض سے سالم ہے کیوں کہ اس کی بحث بھی ضروری ہے اور یہ موقوف ہے تمام دلائل کے استقراء پر، جس کی قدرت صرف مجتہد کو ہوسکتی ہے۔''

پس اگر کوئی عالم وہ آیتیں اور حدیثیں جانتا ہے جن سے مسائلِ شرعیہ ماخوذ ہیں تو اصولِ فقہ کی اصطلاح کی رو سے اس کو فہمِ ماخذ حاصل ہے لیکن معرفت دلیل حاصل نہیں ہے تشنیف السامع شرح جمع الجوامع میں ہے: قوله من غير معرفة فصل خرج به الاخذ مع المعرفة فذالك مجتهد ان عرف حق المعرفة والا فهوفى

رتبة التقليدوان جزم علی فهم الماخذ. یعنی غیر معرفة فصل ہے جس سے معرفتِ دلیل کے ساتھ دوسرے کا بتایا ہوا مسئلہ ماننا نکل گیا کہ وہ (جسے معرفتِ دلیل حاصل ہو) مجتہد ہے، بشرطیکہ پوری معرفت حاصل ہو۔ ورنہ وہ درجۂ تقلید ہے اگر چہ مسئلہ کا ماخذ (آیت یا حدیث) سمجھنے پر جزم رکھتا ہو۔

نتیجہ نمبر (۱) جس آیت یا حدیث سے مسئلہ ماخوذ ہو اس کا جزمی اور قطعی طریق سے سمجھ لینا بھی تقلید کے خلاف نہیں ہے۔ نتیجہ نمبر (۲) مجتہد یا غیر مقلد ہونے کے لئے مسائل اور ان کے دلائل کا سمجھ لینا کافی نہیں ہے، دلائل کا پوری معرفت بمعنیٰ مذکور ضروری ہے۔ پھر کیا کسی تارکِ تقلید کو پوری معرفت کا دعویٰ ہے؟ لہٰذا اِس زمانہ کے علماء خواہ دیوبند کے ہوں یا بریلی کے، لکھنؤ کے ہوں یا دہلی کے پنجاب کے ہوں یا بنگال کے، ہندی ہوں یا سندھی، عربی ہوں یا عجمی اپنے کو مقلد کہتے ہوں یا غیر مقلد حقیقت میں سب مقلد ہیں، اس لئے کہ کسی کو اصطلاحی معرفتِ دلیل حاصل نہیں ہے۔'' (۱)

محدث اعظمیؒ مذکورہ بالا جواب کی مزید تائید کے عنوان سے آگے بتاتے ہیں کہ اجتہاد و تقلید دو متقابل چیزیں ہیں۔ مولانا امرتسریؒ نے بھی اپنے رسالہ فقہ وفقہیہ ص ۵ میں اس کا اعتراف کیا ہے، دوسرے رسالہ اجتہاد وتقلید ص ۴۲ میں فقیہ اور مجتہد کو ہم معنیٰ لکھا ہے اور مجتہد وہ ہوتا ہے جو ہر حکم شرعی فرعی کو دلیل سے مستنبط کرنے کا ملکہ رکھے۔ (حاشیہ چلپی برتلویح ص ۴۴۰) مجتہد کی یہ تعریفؒ مولانا امرتسری کو بھی تسلیم ہے (اجتہاد وتقلید ص ۴۲) پھر نتیجہ کے تحت لکھتے ہیں:

''ظاہر ہے کہ ہدایہ پڑھنے پڑھانے والے علماء چونکہ ہر حکم شرعی فرعی کو دلیل سے استنباط کر سکنے کا ملکہ نہیں رکھتے اس لئے وہ مجتہد نہیں ہیں اور جب مجتہد نہیں ہیں تو یقیناً علمائے اصول کی اصطلاح کی بنا پر وہ مقلد ہیں اور جب علمائے اصول کی اصطلاح کے

(۱) اشتہار مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے علمی سوال کا جواب باصواب۔

بموجب ان کا مقلد ہونا ثابت ہوگیا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ تقلید کی تعریف میں انھوں نے جس معرفتِ دلیل کی نفی کی ہے اس سے مطلق معرفت مراد نہیں ہے بلکہ وہی معرفت مراد ہے جو ہم نے پہلے ذکر کی ورنہ تناقض وتہافت لازم آئے گا۔''(۱)

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے ۲۴/مارچ ۴۴ء میں اس کا جواب الجواب لکھا۔ جو فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۱۵۳ تا ص ۱۵۵ بعنوان ''علمی سوال کا جواب الجواب متعلق تقلید علماء'' شائع ہوا۔ اس میں فرماتے ہیں:

''جواب مذکور کا خلاصہ یہ ہے کہ مجیب نے میری منقولہ تعریفاتِ تقلید کو صحیح مان کر لکھا ہے کہ دلیل کی پوری معرفت ہدایہ وغیرہ پڑھنے سے نہیں ہوتی، کیوں کہ معرفتِ دلیل اس کو کہتے ہیں کہ دلیل کو پورے طور پر جاننا، بالفاظ دیگر یہ جاننا کہ اس کا معارض کوئی نہیں، اور منسوخ بھی نہیں، ایسا جاننا مجتہد کا خلاصہ (۲) ہے۔ میں کہتا ہوں مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے۔''(۳)

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد مولانا امرت سریؒ کا سوال خود بخود ختم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ محدث اعظمیؒ نے مولانا امرت سریؒ کے ''جواب الجواب پر تبصرہ'' کے عنوان سے جو اشتہار شائع فرمایا اس میں لکھتے ہیں:

''ہم نے ''جواب باصواب'' میں معرفتِ دلیل کی جو مراد اصول کی کتابوں سے ذکر کی تھی۔ کہ اس سے وہ معرفت مراد ہے جو مجتہد کے ساتھ خاص ہوتی ہے، مولوی صاحب نے اس کو صحیح تسلیم کرلیا ہے اور بالکل غیر مشتبہ لفظوں میں اقرار کرلیا ہے کہ ''مجیب نے جو کچھ لکھا ہے بالکل صحیح ہے۔''

مولوی صاحب کے اس اعترافِ حق کے بعد مطلع بالکل صاف ہے، اس لئے کہ

---

(۱) اشتہار مذکور (۲) خلاصہ کے بجائے خاصہ ہونا چاہئے مگر خلاصہ ہی لکھا ہے۔ (۳) فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۱۵۴

اب تقلید کی تعریف خود مولوی صاحب کے اقرار کے بموجب یہ ہوئی کہ کسی قول کی دلیل کی پوری معرفت جس پر مجتہد ہی قادر ہوسکتا ہے، حاصل ہوئے بغیر، اس کو قبول کرنا تقلید ہے۔ اور حضراتِ دیوبند جو مولوی صاحب کے مخاطبِ خاص ہیں، انھوں نے امام ابوحنیفہؒ کے اقوال کو اسی طرح قبول کیا ہے کہ ان کو اقوال کی دلیلوں کی پوری معرفت جو مجتہد کا حصہ ہے، حاصل نہیں ہے، لہٰذا ان پر تقلید کی تعریف بے تامل صادق ہے اور وہ یقیناً مقلد ہیں۔''(۱)

مولانا ثناء اللہ صاحب کو اپنے ''مایہ ناز علمی سوال'' کا بھرپور جواب مل چکا تھا۔ مگر اب وہ کج بحثی پر اتر آئے اور کہنے لگے کہ مگر علمائے دیوبند تو دلائل کی مجتہد والی معرفتِ تامہ رکھتے ہیں لہٰذا وہ مقلد کیسے کہلا سکتے ہیں؟

سنئے انھیں کے الفاظ میں:

''مگر مجیب صاحب نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ جن علماء کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفتِ تامہ رکھتے ہیں۔ اب میں مجبوراً چند علماء کے اسماء گرامی بطور مثال پیش کر کے پوچھتا ہوں کہ مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم، مولانا انور شاہ دیوبندی مرحوم، مولانا محمود الحسن مرحوم، مولانا حسین احمد سلمہ، مولانا اشرف علی مرحوم، مولانا احمد رضا بریلوی مرحوم (مجدد مأۃ حاضرہ) وغیرہ اکابر علماء حنفیہ کو بھی دلیل کی معرفت تامہ حاصل تھی یا نہ تھی؟(۲)

یہ تو خوب رہی، علماء دیوبند کہیں کہ ہم کو مجتہد والی معرفتِ دلیل حاصل نہیں لہٰذا ہم امام ابوحنیفہؒ کے مقلد ہیں اور مولانا امرتسریؒ زبردستی انھیں باور کرائیں کہ آپ لوگوں کو مجتہد والی معرفتِ دلیل حاصل ہے لہٰذا آپ لوگ مقلد نہیں ''غیر'' ہیں اصل میں یہ ذہن ومزاج کا فرق تھا۔ سطحی علم رکھنے والا بہت جلد ''اُبل'' جاتا ہے اور گہرائی رکھنے والا اپنی

(۱) اشتہار ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب الجواب پر تبصرہ شائع کردہ جمعیۃ الاحناف مئو ضلع اعظم گڑھ یوپی، (۲) فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۱۵۴

حقیقت کا ادراک رکھتے ہوئے لب کشائی کرتا ہے۔قوتِ اجتہاد اور دلائل کی معرفتِ تامہ اتنی آسان چیز نہیں جتنی غیر مقلد علماء تصور کرتے ہیں اور اپنے لئے راستہ صاف کرنے کے لئے دوسروں کی حوصلہ افزائی اور مرتبہ شناسی کا کھڑاگ پھیلاتے ہیں۔ اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم مقلد نہیں ''غیر'' ہیں، اسی طرح علمائے دیوبند بھی۔

محدث جلیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ''مدعی سست گواہ چست'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب جانتے ہیں کہ ''جواب باصواب'' میں معرفتِ دلیل کی جو مراد بتائی گئی ہے اس کو صحیح ماننے کے بعد ''صیاد خود اپنے دام میں آجائے گا'' اس لئے انھوں نے اس دام سے نکلنے کے لئے یہ فرمایا کہ ''جن علماء کی نسبت میرا سوال ہے وہ تو دلیل کی معرفتِ تامہ رکھتے ہیں۔لیکن یہ تو وہی مثل ہوئی کہ ''مدعی سست گواہ چست'' اس لئے کہ حضراتِ دیوبند اپنے لئے دلیل کی معرفتِ تامہ (جو مجتہد کا حصہ ہے) کے حصول سے صاف انکار کرتے ہیں اگر مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس میں کچھ تامل ہو تو جن حضرات کے نام انھوں نے لکھے ہیں ان میں سے حضرت مولانا حسین احمد مدنی مدظلہ، بفضلہٖ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں انھیں پر مدارِ فیصلہ رکھدیں وہ اگر کہہ دیں کہ مجھ کو معرفتِ تامہ حاصل ہے تو ہم اعلان کر دیں گے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اِس بحث میں حق بجانب ہیں۔اور اگر انکار کریں تو مولوی صاحب اعلان کریں کہ ان کا مجیب اس بحث میں حق بجانب ہے، بولئے مولانا ! ع

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا فیصلہ دل کا (۱)

اس مرحلہ پر مولانا امرتسریؒ پیچھے ہٹنے لگے، ذرا گریز وفرار کا انداز ملاحظہ کیجئے۔

''مجیب نے دوسرے اشتہار میں یہ بھی سوال کیا ہے کہ تم علماء دیوبند میں سے

---

(۱) اشتہار ''مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب الجواب پر تبصرہ''۔

مولانا حسین احمد صاحب سے پوچھو کہ وہ معرفت تامہ رکھتے ہیں یا نہیں؟

''مجیب نے اس سوال کو مدارِ فیصلہ قرار دیا ہے، میں کہتا ہوں مولانا حسین احمد (نجاہ اللہ من قید الفرنگ) کو پوچھنے کی ضرورت ہی کیا ہے، آپ نے ان کو درس دیتے ہوئے دیکھا ہوگا، اگر نہیں دیکھا تو جب رہا ہو کہ آئیں گے تو آپ دیکھ لیجئے گا، وہ اپنے مذہب کا اثبات اور فریقِ مخالف کا ابطال معرفتِ تامہ سے کرتے ہیں یا معرفتِ ناقصہ سے (۱)

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''مشتہرین نے مولانا حسین احمد صاحب سے دریافت کرنے کو لکھا ہے، اس کی ضرورت نہیں ہے، ہم مئو میں جماعتِ احناف کو مخاطب کر کے پوچھتے ہیں کہ وہ اپنا حلفیہ بیان شائع کرے کہ ہمارے علماء کو مسائلِ شرعیہ کی معرفت تامہ نہیں ہے۔'' (۲)

جب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کو اُن لوگوں میں شامل کیا جنھیں ان کے بقول دلائل کی معرفتِ تامہ حاصل تھی اور اس فہرست میں سوائے حضرت شیخ الاسلام کے اس وقت کوئی

---

(۱) فتاویٰ ثنائیہ ج ا ص ۱۵۷ خیال رہے کہ محدث اعظمیؒ نے اس کے جواب میں لکھا تھا ''ہم نے اپنے اشتہار نمبر ۳ مطبوعہ الفقیہ ۲۱ر اپریل، ۷ر مئی ۴۴ء میں بتایا کہ ہم حاضر ہو کر دیکھ چکے وہ علماء اپنے درس میں مذہب حنفی کی حمایت اُس بصیرتِ تامہ کے ساتھ کرتے ہیں جو ایک مقلد کا حصہ ہوسکتی ہے لیکن وہ بصیرتِ تامہ جو ایک مجتہد کا حصہ ہوسکتی ہے وہ نہ ان کو حاصل ہے نہ ابنِ حزم کو حاصل ہے نہ شوکانی کو نہ میاں صاحب کو، ہمارے اِس جواب نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے رخشِ قلم کی ساری جولانی ختم کردی اور وہ اس کے بعد اس سوال وجواب میں ایک حرف بھی نہ بول سکے۔ نہ ان کے اعوان وانصار ہی میں سے کوئی لب ہلانے کی جرأت کرسکا۔ اب اگر مولوی صاحب میں ذرہ برابر بھی حقانیت، دیانت اور انصاف ہوتا تو ان کو برملا علیٰ الاعلان اپنا سوال واپس لینا چاہئے تھا اور بلا خوفِ لومِ لائم ہمارا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ ساری عمر جس شبہ کو وہ حل نہ کرسکتے تھے ہم نے کتنی آسانی سے حل کر کے بڑی غلط فہمی سے ان کو نجات دلادی، لیکن وہ بجائے انقیاد للحق کے اس فکر میں پڑ گئے کہ میرے ''علمی سوال'' نے میری ''علمی شہرت'' کا جنازہ نکال دیا، اب کوئی اور بات بنانی چاہئے، (اشتہار غیر مقلد کی حقیقت، ماخوذ فرقہ غیر مقلدین ص ۱۶ مطبوعہ نوجوانان احناف مئو ناتھ بھنجن۔ یوپی) (۲) حوالۂ مذکورہ۔

حیات نہ تھا اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے انہیں کے جواب کو مدارِ فیصلہ بنا دیا تو ہمارے نزدیک حضرت شیخ الاسلامؒ سے پوچھ لینا انتہائی ضروری ہو چکا تھا۔ مگر مولانا امرتسریؒ کہتے ہیں کہ ''اس کی ضرورت نہیں'' یہ ضرورت شاید بلکہ یقیناً اس لئے نہیں تھی کہ مولانا ثناء اللہ صاحب کو یقین تھا کہ جواب اُن کے موافق نہ ملے گا اور ان کے ''علمی سوال'' کی مزید رسوائی کا سامان ہو جائے گا۔

آخر یہ میدانِ بحث سے گریز و فرار نہیں تو اور کیا ہے؟

مئو کی جماعتِ احناف سے جس حلفیہ بیان کا مطالبہ ہوا اس کے خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے۔

''مسائلِ شرعیہ کی معرفتِ تامہ''۔ حالانکہ بحث یہ تھی کہ مسائل شرعیہ کے دلائل کی معرفتِ تامہ، دونوں میں فرق بالکل ظاہر ہے، یہاں بھی مولانا امرتسریؒ میدان سے ہَٹ رہے ہیں۔

کسی امام کا مقلد، اپنے امام کے کسی قول کے دلائل معلوم کر لینے کے بعد اس کی روشنی میں اپنے امام کو مصیب اور دوسرے کو مخطی قرار دے، اپنے امام کے دلائل کے ذریعہ، دوسرے امام کے اقوال کی تردید کرے تو یہ شخص صرف دلائل جان لینے اور اس کے اوپر پوری پوری بحث کر لینے کی وجہ سے امام کی طرح درجۂ اجتہاد پر فائز نہیں ہوسکتا، وہ صرف دلائل کا ناقل کہلائے گا، نہ کہ مجتہد۔

لیکن مولانا امرتسریؒ اور ان کے ہم نوا غیر مقلد علماء محض دلائل کے جان لینے اور اس کی بنیاد پر دوسرے مذاہب پر رد کرنے والے کو درجۂ اجتہاد پر بٹھا دیتے ہیں کیوں کہ خود کو بھی اِتنے ہی پر اجتہاد کا اہل سمجھ بیٹھے ہیں۔

اب ہم محدث جلیلؒ کی اِس تحریر پر بحث کا دائرہ سمیٹتے ہیں جو انھوں نے مولانا

امرتسریؒ کے ہی متعلق قلمبند کی ہے۔

''مولوی صاحب کو توضیح ص ۲۱ کی یہ عبارت بہت پہلے سنائی جا چکی ہے کہ فان العالم بمائة مسألة من ادلتها لا یسمی فقیها۔ یعنی دلائل کے ساتھ سو مسئلے کا بھی عالم ہو تو وہ مجتہد نہیں کہلائے گا۔ اور مجتہد نہیں کہلائے گا تو لامحالہ مقلد کہلائے گا۔ پس معلوم ہوا کہ مسائل کو دلائل سے جاننے والا بھی مقلد ہو سکتا ہے۔ مولوی صاحب اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔'' (۱)



(۱) مولانا ثناء اللہ صاحب اور بحث تقلید ص ۱۱ شائع کردہ جمعیۃ الاحناف مئو ناتھ بھنجن۔

کیا احادیثِ صحیحہ صرف صحاحِ ستہ میں ہیں؟!

غیر مقلدین نے کچھ اس طرح پروپیگنڈہ کر رکھا ہے گویا صحیح حدیث وہی ہوگی جو بخاری یا مسلم میں ہو۔ جو بخاری و مسلم میں نہیں، وہ صحیح حدیث ہی نہیں، ہر حدیث کے لئے اُنہیں بخاری و مسلم کا حوالہ چاہئے، لیکن جب اپنا معاملہ آتا ہے تو بخاری و مسلم کی حدیثیں چھوڑتے چلے جاتے ہیں۔ (۱)

کچھ لوگ دائرہ وسیع کر کے ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں۔ اور یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ صحیح حدیث وہی ہے جو صحاحِ ستہ یعنی مذکورہ چھ کتابوں میں ہو، جو صحاحِ ستہ میں نہیں، وہ صحیح حدیث ہی نہیں، یہاں بھی ان حضرات کا حال یہ ہے کہ اپنے مطلب کی بات میں صحاح ستہ کو بالکل نظرانداز کر جاتے ہیں۔ (۲)

بہرحال اِن حضرات کے طرزِ عمل سے قطع نظر، ان کے پروپیگنڈہ کو سامنے رکھ کر چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بخاری و مسلم سمیت صحاح ستہ کے کسی مؤلف نے دعویٰ نہیں کیا کہ انھوں نے اپنی اپنی کتابوں میں تمام صحیح احادیث جمع کردی ہیں، اب صحیح حدیث کوئی باقی نہیں بچی، ان حضرات نے اِس بات کا التزام ضرور کیا کہ اپنے علم و تحقیق کے اعتبار سے احادیث صحیحہ ہی اپنی کتابوں میں درج کیں، لیکن اس سے یہ سمجھنا کہ ساری کی ساری صحیح حدیثیں انھوں نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کردی ہیں، غلط ہے۔

---

(۱) اِس کتاب کے ص ۸۳ پر اس کی متعدد مثالیں آرہی ہیں۔ (۲) ص ۸۶ پر اس کی بھی مثالیں آرہی ہیں۔

علامہ ابن الصلاح (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں:

لم یستوعبا الصحیح فی صحیحیھما ولاالتزما ذالک فقد روینا عن البخاری انہ قال ماادخلت فی کتاب الجامع الاماصح وترکت من الصحاح لملال الطول وروینا عن مسلم انہ قال لیس کل شئ عندی صحیح وضعتہ ھٰھنا یعنی فی کتابہ ھٰھنا یعنی فی کتابہٖ الصحیح (۱)

شیخین نے صحیح بخاری ومسلم میں احادیثِ صحیحہ کا نہ استیعاب کیا ہے نہ اس کا التزام کیا ہے، ہم نے امام بخاریؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب جامع بخاری میں احادیثِ صحیحہ ہی شامل کی ہیں اور بعض احادیث صحیحہ، طوالت کے خوف سے چھوڑ بھی دی ہیں۔ اور ہم نے امام مسلمؒ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ جو حدیث بھی میرے نزدیک صحیح ہو اُسے میں نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں جمع کر دیا ہو۔

علامہ شبیر عثمانیؒ (م ۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں:

قدظن اناس انھما قدالتزما ان یخرّجا کل ماصحّ من الحدیث فی کتابیھما فاعترضوا علیھما بانھما لم یقوما بماالتزما بہ و لیس الامر کذالک فقد عن البخاری انہ قال ماادخلت فی کتابی الجامع الاماصحّ وترکت جملۃ من

بہت سے لوگوں کا گمان یہ ہے کہ امام بخاریؒ اورامام مسلمؒ نے التزام کیا تھا کہ ہر صحیح حدیث کی وہ بخاری ومسلم میں تخریج کریں گے۔ چنانچہ اسی گمان کی بناپر انھوں نے اعتراض کیا کہ وہ دونوں اِس بات پر قائم نہیں رہے جس کا انھوں نے التزام کیا تھا، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ

(۱) مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۱

الصحاح خشية ان يطول الكتاب وروی عن مسلم....... قال انما اخرجت هٰذاالكتاب وقلت هو صحاح ولم اقل انّ ما لم اخرجه من الحديث فی هٰذا الكتاب فهو ضعيف الخ (۱)

امام بخاریؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اپنی کتاب جامع میں صحیح احادیث ہی داخل کی ہیں لیکن کتاب کی طوالت کے خوف سے کچھ صحیح احادیث چھوڑ دی ہیں۔ اور..............امام مسلمؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ میں نے اس کتاب کو نکالا اور میں کہتا ہوں کہ وہ سب صحیح حدیثیں ہیں، لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ جو حدیث میں نے اس کتاب میں نہیں لکھی وہ ضعیف ہے۔

آگے علامہ شبیراحمد عثمانی نے اس پر بحث کی ہے کہ صحیحین بلکہ صحاحِ ستہ کے مؤلفین نے جواحادیثِ صحیح اپنی کتابوں میں درج نہیں کیں، ان کی مقدار کیا ہے، وہ کم ہیں یازیادہ؟

امام ابن الصلاحؒ نے لکھا ہے کہ بخاری ومسلم کی باقیماندہ بہت سی صحیح احادیث ترمذی، ابوداؤد، نسائی ، دارقطنی ، صحیح ابن خزیمہ، مسندابوعوانہ وغیرہ میں موجود ہیں، اورحاکم ابوعبداللہ کی مستدرك على الصحيحين خودایک ایسی تفصیلی کتاب ہے جواُن احادیث پرمشتمل ہے جوبخاری ومسلم کی شرط پر ہیں اگر چہ بخاری ومسلم میں موجودنہیں۔ (۲)

حقیقت یہ ہے کہ صحاحِ ستہ کے پہلے کے مؤلفین ہوں یابعد کے، انھیں جتنی احادیثِ صحیحہ یادتھیں اُن سے انتخاب کر کے انھوں نے اپنی کتابیں ترتیب دیں۔

---

(۱) مقدمہ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم ص۹۴ (۲) مقدمہ ابن الصلاح ص۱۱

اس انتخاب کالازمی نتیجہ یہ تھا کہ بہت سی احادیثِ صحیحہ ان سے درج ہونے سے رہ گئیں، جنھیں بعد کے محدثین نے اپنی کتب میں شامل کیا۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو شرطِ شیخین پر ہیں اور صحیحین کی روایات سے کس طرح کم درجہ نہیں۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور چند دیگر محدثین نے صحت کے اعتبار سے احادیثِ صحیحہ کی درج ذیل سات قسمیں بالترتیب بیان کی ہیں:

۱- سب سے صحیح وہ احادیث ہیں جو بخاری و مسلم دونوں میں ہوں۔

۲- اس کے بعد وہ احادیث جو صرف بخاری شریف میں ہوں، مسلم شریف میں نہ ہوں

۳- اس کے بعد وہ احادیث جو صرف مسلم شریف میں ہوں، بخاری شریف میں نہ ہوں۔

۴- اس کے بعد وہ احادیث جو بخاری و مسلم میں سے کسی میں نہ ہوں مگر بخاری و مسلم کی شرط پر ہوں۔

۵- اس کے بعد وہ احادیث جو بخاری شریف میں نہ ہوں مگر امام بخاریؒ کی شرط پر ہوں۔

۶- اس کے بعد وہ احادیث جو مسلم شریف میں نہ ہوں مگر امام مسلم کی شرط پر ہوں۔

۷- اس کے بعد وہ احادیث جو نہ بخاری شریف میں ہوں، نہ مسلم شریف میں اور نہ دونوں میں سے کسی کی شرط پر ہوں۔ مگر ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہوں۔ (۱)

لیکن علامہ ابن ھمام رحمۃ اللہ علیہ نے فتح القدیر میں اصح احادیث کی اس ترتیب وتقسیم پر اعتراض کیا ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ علامہ ابن ھمامؒ کا اعتراض بالکل صحیح وحق بجانب ہے، فرماتے ہیں:

---

(۱) شرح نخبۃ الفکر ص ۳۲، مقدمہ فتح الملہم ص ۹۵۔

قول من قال اصح الأحاديث مافي الصحيحين ثم ماانفرد به البخاری ثم ماانفرد بهٖ مسلم ثم مااشتمل علیٰ شرطهما ثم مااشتمل من شرط احدهما تحكم لايجوز التقليد فيهٖ اذالاصحية ليست اِلا لاِشتمال رواتها على الشروط التي اعتبراها فاذا فرض وجود تلك الشروط في رواة حديث في غير الكتابين أفلا يكون الحكم بأصحية مافي الكتابين عين تحكمٍ.

(مقدمہ فتح الملہم ص ۱۵ حاشیہ شرح نخبۃ الفکر ص ۳۰)

جنھوں نے کہا ہے کہ سب سے صحیح حدیث وہ ہے جو صحیحین میں ہو، پھر وہ جو تنہا امام بخاریؒ نے روایت کی ہو، پھر وہ جو تنہا امام مسلم نے روایت کی ہو، پھر وہ جو اُن دونوں کی شرطوں پر ہو، پھر وہ جو اُن دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہو، یہ بات، زبردستی کی بات ہے، اس میں تقلید جائز نہیں، اس لئے کہ اصحیت کا مدار اس پر ہے کہ روایت کے راوی شرائطِ شیخینؒ پر پورے اتریں۔ لہٰذا اگر ان شرائط کا وجود، صحیحین کے علاوہ، کسی دوسری کتاب کے راویوں میں ہو تو کیا پھر بھی صحیحین کی روایت پر ہی اصح ہونے کا حکم لگانا، بلا وجہ کی زبردستی نہ ہوگا۔

عبارتِ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث، بخاری و مسلم میں نہ ہو مگر بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہو اور ہر جہت سے شرائط مکمل ہوں تو اصح ہونے میں اس کا درجہ بخاری و مسلم کے بعد نہ ہوگا بلکہ بخاری و مسلم کا ہی درجہ ہوگا کیوں کہ بخاری و مسلم کی اُن احادیث کے اصح ہونے کی اصل بنیاد ان کی شرائط ہیں، لہٰذا بخاری و مسلم کی شرائط کے اعتبار سے جو حدیث بھی کامل ہو وہ بخاری و مسلم کے ہی پایہ کی ہوں گی نہ یہ کہ اُسے اصح کہنے میں بخاری و مسلم کے بعد کا درجہ دیا جائے (۱)

---

(۱) یہ حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے

بہر حال حوالہ جاتِ مذکورہ سے یہ بات منقح ہوگئی کہ بخاری و مسلم یا صحاح ستہ میں کسی حدیث کا نہ ہونا اس کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں۔ کیوں کہ ان کتابوں میں احادیث صحیحہ کا استیعاب نہیں ہے۔ دوم بخاری و مسلم میں کسی حدیث کا نہ ہونا اس بات کی بھی دلیل نہیں کہ وہ صحیح ہونے میں بخاری و مسلم کی حدیث سے کم درجہ ہے۔

ہم نے یہ ساری باتیں اتنی تفصیل سے اس لئے عرض کی ہیں تا کہ اہلحدیث حضرات کے غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت معلوم ہو سکے، ان کا حال یہ ہے کہ اگر احناف کی مستدل کوئی حدیث، بخاری و مسلم میں نہ ہوئی یا بقیہ صحاح ستہ میں بھی نہ ہوئی تو غیر صحیح ہونے کا شور مچانے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم سے حوالہ لاؤ، یا صحاحِ ستہ سے حوالہ دو، حالانکہ اپنے ہر ہر مسئلہ کا حوالہ یہ لوگ خود بھی نہ بخاری سے دے سکتے، نہ مسلم

حاشیہ صفحہ گزشتہ (۱) علامہ ابن ہمامؒ کی اتنی معقول اور مبنی بر انصاف بات، ایک اہلحدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ کو پسند نہیں آئی۔ اور یہ لکھنے کے بعد کہ'' بخاری شریف کو جمہور محدثین وفقہاء کے نزدیک ترجیح حاصل ہے۔'' لکھتے ہیں وخالف هذا القول المجمع عليه الشيخ ابن الهمام (اس اجماعی قول کی شیخ ابن ہمامؒ نے مخالفت کی ہے) مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۶۸۔ مگر یہ مولانا مبارک پوریؒ کی سخت بھول ہے، کیوں کہ بخاری شریف کو حدیث کی دوسری کتابوں پر مجموعی اعتبار سے ترجیح حاصل ہے نہ کہ ہر ہر حدیث کے اعتبار سے، چنانچہ معدودے چند کو چھوڑ کر اس میں اکثر حدیثیں صحیح ہیں جب کہ دوسری کتابوں میں یہ تناسب نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ بخاری کی ہر ہر حدیث، دوسری کتابوں کی ہر ہر حدیث پر ترجیح رکھتی ہو، اگر ایسا ہوتا تو بخاری کی ہی کئی روایتوں پر نقد نہ ہوتا (دیکھئے شرح نخبۃ الفکر ص ۳۰) مگر مجموعۂ یعنی پوری کتاب کی حیثیت سے بخاری شریف کو دیگر کتب حدیث پر ترجیح دی گئی ہے۔ لیکن یہ عین ممکن ہے کہ کوئی حدیث، نہ بخاری میں ہو نہ مسلم میں، لیکن بخاری و مسلم کی ساری شرائط پر من کلِ الوجوہ پوری اترتی ہوں۔ جیسا کہ مستدرک حاکم میں ایسی بہت سی احادیث موجود ہیں لہٰذا صحیح ہونے میں اُسے بخاری و مسلم کا ہی درجہ حاصل ہوگا، نہ کہ اس کے بعد کا، یہی امام ابن ہمامؒ کا کہنا ہے۔ امام ابن ہمامؒ کی اس معقول بات کو وہی غلط کہہ سکتا ہے جو حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کی اندھی تقلید میں مبتلا ہو۔ غیر مقلد علماء کو تو اندھی تقلید نہیں کرنی چاہئے۔ —— یہاں ٹھہر کر ہم اہلحدیث علماء سے انھیں کے انداز میں ایک بات دریافت کریں۔ جناب! ذرا بتا دیجئے کہ بخاری شریف کو تمام کتب حدیث پر ترجیح حاصل ہونے کے سلسلے میں جس اجماع کا مولانا مبارکپوریؒ نے تذکرہ کیا ہے وہ کس جگہ اور کہاں ہوا۔ کس سنہ و تاریخ میں ہوا۔ اس میں کون کون فقہاء و محدثین شریک تھے؟ —— کیا کوئی غیر مقلد عالم مذکورہ تفصیلات کے ساتھ اس اجماع کو ثابت کر سکتا ہے؟۔

سے، نہ ابوداؤد سے، نہ ترمذی سے، نہ نسائی سے، نہ ابن ماجہ سے اور نہ ہی مؤطا امام مالک سے (۱) مثال کے طور پر چار دن قربانی (ذی الحجۃ کی تیرہ تاریخ تک) کی کوئی حدیث ان کتابوں میں سے کسی میں بھی موجود نہیں اور حد درجہ ضعیف بلکہ موضوع تک ہے (۲)

کیا اہلحدیث صرف قوی احادیث پر عمل کرتے ہیں؟!

حقیقت یہ ہے کہ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ وہ حدیث صحیح مرفوع متصل پر عمل کرتے ہیں، اوران کے پاس کوئی حدیث، ضعیف نہیں، سب کی سب قوی ہیں، ایک کھوکھلا دعویٰ ہے۔ اس کے جھوٹ اور غلط ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں کہ کئی ضعیف حدیثیں مل کر قوی کیسے ہو جائیں گی، کئی بیمار مل کر تندرست اور چنگے کیسے ہو سکتے ہیں، لیکن جب اپنا مطلب پڑتا ہے تو ان کے کئی ''بیمار'' مل کر نہ جانے کیسے تندرست ہو جایا کرتے ہیں۔ (۳)



(۱) بعض محدثین کے نزدیک صحاح ستہ میں بجائے ابن ماجہ کے مؤطا امام مالک شامل ہے۔ (۲) دیکھئے اسی کتاب کا ص ۴۴ وغیرہ (۳) دیکھئے اسی کتاب کا ص ۱۴۷ وغیرہ

ضعیف احادیث سے استدلال

ایک غیر مقلد عالم مولانا محمد صاحب جونا گڈھی اپنی کتاب ''دلائلِ محمدی'' میں قرأت خلف الامام، رفعِ یدین اور آمین بالجہر کے سلسلے میں چند احادیث نقل کرنے کے بعد ایک جلی عنوان یوں قائم کرتے ہیں:

''تین سو روپئے نقد انعام کا وعدہ''

پھر لکھتے ہیں:

''دوستو! میرے خیال سے تو میں نے مختصراً اِن تینوں مسئلوں کو بالکل صاف کر دیا ہے، اب اتنا اور بھی سن رکھئے کہ کوئی حدیث ان کے خلاف نہیں، اگر کوئی صاحب مدعی ہوں تو ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اگر وہ رفع الیدین نہ کرنے کی یا رفع الیدین منسوخ ہونے کی ایک حدیث لائیں جو صریح صحیح اور مرفوع ہو جس پر کسی قسم کی جرح نہ ہو تو ہم حلفیہ اقرار کرتے ہیں کہ انھیں ایک سو انعام دیں گے اور تحریری اقرار کریں گے کہ رفع الیدین منسوخ ہے، اسی طرح اگر آمین دل میں کہہ لینے کی (جیسے آج کل حنفی بھائی کہتے ہیں) ایک بھی حدیث صحیح صریح مرفوع جس پر کسی قسم کی جرح نہ ہو وہ ثابت کر دیں تو ایک سو روپئے اور بھی لے لیں، اور آمین دل میں کہہ لینے کا تحریری اقرار بھی لے لیں، ٹھیک اسی طرح اگر امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنی منع ہونے کی ایک بھی صریح مرفوع غیر مجروح صحیح حدیث پیش کر دیں تو تین سو روپئے اور لے لیں۔ اور ہمیشہ کے واسطے امام کے پیچھے الحمد نہ پڑھنے کا تحریری اقرار نامہ لے لیں۔''

(دلائل محمدی، ص ۱۹)

ہمارے نزدیک اس قسم کے انعام کا اعلان اپنے ناواقف عوام کو خوش کرنے اوران پر بلا وجہ کا رعب جمانے کے سوا کچھ اور حقیقت نہیں رکھتا۔ ویسے مولانا محمد صاحب جونا گڈھی کی طرح ہم تمام اہلِ حدیث علماء کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ:

وہ رفع یدین کے سلسلے میں ایک بھی ایسی حدیث پیش کریں جو صریح صحیح مرفوع غیر منسوخ ہو اور اس پر کسی قسم کی کوئی جرح نہ کی گئی ہو۔ ایسی ایک بھی حدیث پیش کر کے وہ ہم سے سو کے بجائے دوسو(۱) نقد انعام لے لیں۔ اور تحریری اقرار نامہ بھی۔

اِسی طرح امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کے سلسلے میں ایک بھی ایسی حدیث پیش کریں جو صریح، صحیح، مرفوع غیر معارض وغیر منسوخ ہو اور اس پر کسی قسم کی کوئی جرح نہ کی گئی ہو، ایسی حدیث پیش کر کے بھی وہ ہم سے دوسو نقد انعام حاصل کر لیں اور اقرار کی تحریر بھی۔

اسی طرح آمین بالجہر کے سلسلے میں ایک بھی ایسی حدیث پیش کریں جو صریح صحیح مرفوع غیر معارض غیر منسوخ ہو، اور اس پر کسی قسم کی جرح نہ کی گئی ہو، ایسی حدیث پیش کر کے بھی دوسو لے لیں اور تحریری اقرار بھی۔

اہلِ حدیث علماء کو چاہیئے کہ یہ دوگنا انعام حاصل کرنے کی کوشش کریں، مولانا جونا گڈھی کی طرح بہت سے اہلحدیث علماء، عوام کو اسی غلط فہمی میں مبتلا کر رہے ہیں اور یہ باور کرا رہے ہیں کہ ہمارے پاس ساری کی ساری صحیح، صریح مرفوع، متصل السند قوی غیر منسوخ وغیر معلل احادیث ہیں اور احناف ضعیف احادیث پر عمل کرتے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہم اہلحدیث حضرات کو اُن کے دلائل کا ضعف دکھا دیں تا کہ اہلحدیث علماء آئندہ اس قسم کی چیلنج بازی کرتے ہوئے اپنے گھر کی بھی خبر رکھیں۔

---

(۱) بلکہ اس دوسو کا موجودہ زمانہ کی مالیت کے اعتبار سے انعام حاصل کریں۔

سینے پر ہاتھ باندھنے کی ضعیف احادیث

سینے پر ہاتھ باندھنے کی درج ذیل چار روایتیں بڑی اہمیت کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں مگران میں سے ایک بھی قوی نہیں، سب کی سب ضعیف ہیں۔(۱)

۱- عن وائل بن حجر قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ ووضع یدہ الیمنیٰ علیٰ یدہ الیسریٰ علی صدرہ. (صحیح ابن خزیمہ ج ۲، ص ۲۴۳)	وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ، اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اپنے سینے پر۔

اس روایت میں علیٰ صدرہ (اپنے سینے پر) کی زیادتی غیر محفوظ ہے۔ کیوں کہ اس زیادتی کو مؤمل بن اسمٰعیل کے سوا کسی نے نقل نہیں کیا۔ اور مؤمل بن اسمٰعیل کو امام بخاریؒ نے منکرِ حدیث، ذہبیؒ، دارقطنی، ابوحاتم اور ابن سعدؒ نے کثیر الخطاء کہا ہے اور تقریب میں ہے کہ مؤمل بن اسمٰعیل صدوق سیٔ الحفظ ہے۔ ابوزرعہؒ کہتے ہیں کہ اس کی حدیث میں غلطیاں بہت ہیں، صحیح ابن خزیمہ میں جہاں یہ حدیث نقل کی گئی ہے وہیں حاشیہ پر موجود ہے کہ اسنادہٗ ضعیف (اس کی سند ضعیف ہے)

ایک غیر مقلد عالم نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ''یہ سند ضعیف ہے۔''

(القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول ص ۳۴۰)

مولانا محمد تقی صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں:

''بعض حضرات نے صحیح ابن خزیمہ کی روایت کی تصحیح کے سلسلہ میں یہ کہا ہے کہ ''ابن خزیمہؒ کا اپنی کتاب میں اس حدیث کو ذکر کرنا بجائے خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت اُن کے نزدیک صحیح ہے، کیوں کہ امام ابن خزیمہؒ نے اپنی کتاب میں صرف صحیح

---

(۱) اِن حدیثوں کا ترجمہ غیر مقلدین کا ہی کیا ہوا ہے۔

احادیث لانے کا التزام کیا ہے،'' لیکن یہ خیال درست نہیں، چنانچہ ہم مقدمہ میں بھی ذکر کر چکے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ نفس الامر کے اعتبار سے صحیحِ مجرد نہیں ہے، چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے ''تدریب الراوی'' میں لکھا ہے کہ صحیح ابن خزیمہ میں بعض احادیث ضعیف اور منکر بھی آگئی ہیں۔

اس پر بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ''صححہ ابن خزیمۃ'' جس کا حاصل یہ ہوا کہ ابن خزیمہ نے یہ حدیث صرف ذکر ہی نہیں کی بلکہ اس کی تصحیح بھی کی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قاضی شوکانیؒ نے یہ جملہ اس لئے لکھا ہے کہ اُن کے خیال میں ابن خزیمہ کا کسی حدیث کو اپنی صحیح میں صرف روایت کر دینا ہی اس کی صحت کی دلیل تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ شوکانی کے زمانہ میں صحیح ابن خزیمہ دستیاب نہیں تھی، کہ وہ اس کو دیکھ کر تصحیح نقل کرتے، بلکہ صحیح ابن خزیمہ تو حافظ ابن حجرؒ ہی کے زمانہ میں نایاب ہوگئی تھی، اور خود حافظ ابن حجرؒ کے پاس بھی اس کا مکمل نسخہ نہیں تھا، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ شوکانیؒ کے پاس صحیح ابن خزیمہ نہیں تھی، اور انہیں اس روایت کا صحیح ابن خزیمہ میں موجود ہونا کسی اور ذریعہ سے معلوم ہوا تھا، پھر چونکہ ان کے نزدیک ابن خزیمہ کا کسی روایت کو اپنی صحیح میں ذکر کرنا ہی تصحیح کے مرادف تھا، اس لئے انھوں نے ''رواہ ابن خزیمۃ وصحّحہ'' لکھ دیا، پہلے ہم یہ بات محض قیاس سے کہتے تھے لیکن اب الحمدللہ چند سال قبل صحیح ابن خزیمہ کی دو جلدیں شائع ہوکر منظر عام پر آگئی ہیں، ان کی مراجعت کرنے سے اس قیاس کی پوری تصدیق ہوگئی، کیونکہ امام ابن خزیمہؒ نے اس میں یہ حدیث مؤمل بن اسمٰعیل کے طریق سے تخریج کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے، صراحۃً اس کی تصحیح نہیں کی، اور کسی حدیث پر حافظ ابن خزیمہ کا سکوت اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا طرز یہ ہے کہ وہ امام ترمذیؒ کی طرح حدیث کی حیثیت بیان کرتے ہیں، اس لئے کسی حدیث پر محض ان کے

سکوت سے اُس حدیث کی صحت لازم نہیں آتی بالخصوص جب کہ وہ مؤمّل بن اسمٰعیل جیسے ضعیف راوی کا تفرد ہو، نیز حضرت وائلؓ کی یہ حدیث دوسری کتبِ حدیث میں بھی ثقات سے مروی ہوکر آئی ہے، ان میں سے کوئی بھی ''علیٰ الصدر'' کی زیادتی نقل نہیں کرتا، چنانچہ علامہ نیمویؒ نے آثار السنن میں ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد وغیرہ کے حوالہ سے حضرت وائل ابن حجرؓ کی اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے، ان کے علاوہ مسند ابوداؤد طیالسی اور صحیح ابن حبان میں اس کے مزید طرق ہیں ان میں سے کسی طریق میں بھی سینہ پر ہاتھ باندھنا مذکور نہیں، بلکہ علامہ ابن قیمؒ نے بھی ''اعلام الموقعین'' میں یہ اعتراف کیا ہے کہ مؤمل بن اسمٰعیل کے سوا کوئی یہ زیادتی نقل نہیں کرتا، لہٰذا ان تمام راویوں کے مقابلہ میں مؤمل جیسے ضعیف راوی کا تفرد حجت نہیں ہوسکتا۔

رہی مسندِ بزّاز والی روایت جس میں ''عند صدرہ'' کے الفاظ آئے ہیں سو اس کا مدار محمد بن حجرؒ پر ہے، حافظ ذہبیؒ اُن کے بارے میں لکھتے ہیں "لہٗ مناکیر" لہٰذا یہ روایت بھی قابلِ استدلال نہیں ہے۔ (درسِ ترمذی ۲/۲۱)

۲- عن قبیصة بن هلب عن أبيه قال رأيت النبی ﷺ یضع هذه علی صدره (مسند احمد)

قبیصہ بن ہلب اپنے والد ہلبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنا ہاتھ سینہ پر رکھے ہوئے تھے۔

اس میں بھی علیٰ صدرہٖ کی زیادتی غیر محفوظ ہے کیوں کہ یہ زیادتی صرف یحییٰ بن سعید کے طریق میں سے ہے، جب کہ اس حدیث کے دوسرے متعدد طرق مثلاً وکیعؒ، عبدالرحمٰن مہدیؒ، ابوالاحوصؒ اور شریکؒ کی روایات میں جو خود مسند احمد، دارقطنی اور ترمذی وابن ماجہ میں ہیں علیٰ صدرہٖ کی زیادتی ثابت نہیں۔

چنانچہ مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:

''علامہ نیمویؒ نے آثار السنن (۱) میں مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اس روایت کے الفاظ میں تصحیف ہوئی ہے اور یہ اصل میں "یضع ھذہٖ علی ھذہٖ" (۲) تھا، جس کو غلطی سے کسی نے "یضع ھذہٖ علیٰ صدرہٖ" بنادیا، لہٰذا اس روایت سے بھی استدلال درست نہیں۔ (درسِ ترمذی ص۲۴/۲)

غیر مقلدین کا استدلال حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ایک اثر سے بھی ہے، وہ یہ کہ حضرت علیؓ نے آیتِ قرآنی "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" (۳) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: "وضع یدہ الیمنیٰ علیٰ وسط یدہ الیسریٰ ثم وضعھا علیٰ صدرہ" (۴) (بیہقی ج۳۰/۲)

اس کے متعلق مولانا عثمانی لکھتے ہیں:

لیکن علامہ ماردینیؒ نے الجوہر النقی میں ثابت کیا ہے کہ اس روایت کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے، امام بیہقیؒ نے آیت کی یہی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بھی نقل کی ہے، لیکن اس کی سند میں روح بن المسیب ہیں، جن کے بارے میں ابن حبانؒ کا قول: (۵) "یروی الموضوعات لاتحلّ الروایة عنه" (الجوہر النقی ۳۰/۲) اور علامہ ساعاتیؒ "مسند احمدؒ" کی تبویب کی شرح میں لکھتے ہیں: (۶) "نسبة ھذاالتفسیر الیٰ علیّ وابن عباس لاتصحّ کما قال ابن کثیرؒ والصحیح نحر البدن۔" (الفتح الربانی، ص۱۷۴ ج۳) (درسِ ترمذی ج۲۳/۲)

---

(۱) آثار السنن مع التعلیق الحسن ۶۷/۱ (۲) ترجمہ: ''رکھتے تھے اِس ہاتھ (دائیں) کو اُس ہاتھ (بائیں) پر'' ھذہٖ جو آخر میں ہے اس کو تصحیف ہوگئی اور غلطی سے ھذہٖ کی جگہ صدرہٖ لکھا جانے لگا۔ (۳) ''پس نماز پڑھئے اپنے رب کے لئے اور نحر (قربانی) کیجئے۔'' (۴) ''رکھے اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ کے وسط پر پھر اسے سینہ پر رکھ لے۔'' (۵) وہ موضوع روایتیں بیان کرتا ہے، اس سے روایت کرنا جائز نہیں۔ (۶) اس تفسیر کی نسبت حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن کثیرؒ نے کہا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ آیتِ کریمہ میں وَانْحَرْ سے مراد اونٹوں کو نحر کرنا ہے (یعنی اونٹوں کو سینہ کے اوپر سے ذبح کرنا ہے، نہ کہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا۔

۳- عن طاؤس قال كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يضع يده اليمنىٰ علىٰ يده اليسرىٰ ثم يشدبهما علىٰ صدره وهوفى الصلوٰة. (مراسیل ابوداؤد ص ۶)

طاؤس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنادایاں ہاتھ اپنے بائیں پر رکھ کر سینے پر باندھتے تھے۔

اولاً تو یہ حدیث مرسل ہے، لہٰذا اہلحدیث علماء کو اس سے استدلال ہی نہیں کرنا چاہئے کیوں کہ حدیثِ مرسل ان کے نزدیک حجت نہیں۔ مگر یہ مرسل چونکہ ان کے مطلب کی تھی اس لئے شاید استدلال کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

علاوہ ازیں اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس کا ایک راوی سلمان بن موسیٰ کو محدثین نے لین الحدیث کہا ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں عنده مناكير (اس کے پاس بہت سی منکر روایتیں ہیں) امام نسائیؒ فرماتے ہیں ليس بالقوى (قوی نہیں ہے)۔ دیکھئے التعلیق الحسن علیٰ آثار السنن ۱/۶۸

۴- چوتھی روایت وائل بن حجر کی بیہقی سے پیش کی جاتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں:

ثم وضع يمينه على اليسرىٰ علىٰ صدره.

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنادایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا اپنے سینے پر۔

یہ بھی ضعیف ہے، اس میں ایک راوی محمد بن حجر کے بارے میں علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں کہا ہے کہ لہ مناکیر (اس کے پاس بہت سی منکر روایتیں ہیں)۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں فيه بعض النظر۔ علامہ ابن الترکمانیؒ فرماتے ہیں له مناكير۔

اس حدیث میں ایک راویہ ام عبدالجبار مجہول ہے، تیسرا راوی سعید بن عبدالجبار کو امام نسائیؒ نے کہا ہے کہ لیس بالقوی (قوی نہیں ہے)۔ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب میں کہتے ہیں کہ ضعیفٌ (ضعیف ہے)

غیر مقلد علماء نے بھی اس کے ضعف کو تسلیم کیا ہے، دیکھئے (القول المقبول ص۳۴۲ حدیث نمبر ۲۶۰ و ۲۶۳)

امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی ضعیف احادیث

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کی روایات کا حال بھی ملاحظہ کیجئے:

۱ – عن عبادۃ بن الصامت قال کنا خلف رسول الله ﷺ فی صلوٰۃ الفجر فقرأ رسول الله ﷺ فثقلت علیه القراءۃ فلما فرغ قال لعلکم تقرؤن خلف امامکم قلنا نعم هذا یارسول الله قال لاتفعلوا الابفاتحة الکتاب فانه لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بها.

(ابوداؤد ۱/۱۱۹، ترمذی ۱/۶۹)

حضرت عبادۃ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، آپؐ نے قرأت کی تو آپؐ پر قرأت دشوار ہوئی، جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو؟ ہم نے جواب دیا، ہاں اے اللہ کے رسول! آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو سوائے سورۂ فاتحہ کے، کیوں کہ اس کی نماز نہیں جس نے اسے نہیں پڑھا۔

یہ حدیث تین وجہوں سے معلول ہے۔

(الف) اس کے سلسلۂ رُوَاۃ میں مکحولؒ ہیں جو کہ مدلّس ہیں اور وہ بھی مکحولؒ نے یہ حدیث معنعن نقل کی ہے اور مدلّس کا عنعنہ قابل استدلال نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں احتمالِ تدلیس ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ مکحول نے یہ روایت محمود بن الربیع سے نقل کی ہے جو کہ صحابی ہیں لیکن ان سے سماع کا ذکر نہیں کیا، امام بخاریؒ نے جزء القراءۃ میں فرمایا ہے کہ مکحولؒ، حرام بن معاویہؒ اور رجاء بن حیوۃؒ جو روایتیں محمود بن الربیع سے نقل کرتے ہیں

اس میں ان لوگوں نے محمودؒ سے براہ راست سنناذکر نہیں کیا۔

(ب) یہ حدیث سنداً مضطرب ہے اور سند کا اضطراب، حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل ہے، کیوں کہ مکحولؒ نے کبھی تو عبادہ بن صامتؓ سے مرسلاً نقل کی، جیسا کہ دار قطنی ۱/۲۵۳ میں ہے، کبھی نافع بن محمود کے واسطے سے عبادہ بن صامتؓ سے، جیسا کہ ابوداوٗد میں ہے، کبھی محمود بن ربیع سے انھوں نے عبادہ بن صامتؓ سے، جیسا کہ ترمذی میں ہے، کبھی محمود بن ربیع سے ابونعیم کے واسطے سے انھوں نے عبادہ بن صامتؓ سے، جیسا کہ دار قطنی ج ۱ ص ۲۵۳ میں ہے۔

(ج) مکحولؒ سے محمود بن ربیعؓ کے واسطے سے اس حدیث کو نقل کرنے میں محمد بن اسحاق متفرد ہیں اور اپنے سے زیادہ ثقہ راوی زید بن واقدؒ کی مخالفت کردی ہے، حالانکہ انھوں نے بھی مکحولؒ سے ہی نقل کیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حدیث شاذ اور غیر محفوظ ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

وھٰذاالحدیث معلل عند ائمة الحدیث بأمور کثیرة ضعفه احمد وغیره من الأئمة	یہ حدیث، ائمۂ حدیث کے نزدیک بہت سے وجوہ سے معلول ہے، امام احمدؒ اور دیگر ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲۳ ص ۲۸۷)

چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں محمد بن ربیع کے ترجمہ کے تحت اعتراف کیا ہے کہ ان کی یہ حدیث معلول ہے۔

قرأت خلف الامام کے سلسلے کی، یہ اہل حدیث حضرات کی وہ دلیل ہے جو سب سے قوی ہے، جب سب سے قوی کا یہ حال ہے تو بقیہ کا کیا حال ہوگا، خود ہی سوچ لیجئے۔

۲- دوسری روایت یوں ہے:

عن ابی قلابة عن انس ان رسول الله ﷺ صلّی بأصحابه فلما قضیٰ صلاته اقبل علیهم بوجهه فقال اتقرء ون فی صلاتکم خلف الامام والامام یقرأ فسکتوا فقالها ثلاث مرات فقال قائل اوقائلون انا لنفعل قال فلاتفعلوا ولیقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب فی نفسهٖ

(بیہقی وغیرہ)

ابوقلابہ سے مروی ہے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کونماز پڑھائی، جب آپ نے نماز مکمل کرلی تو صحابہ کرام کی طرف متوجہ ہوئے اورفرمایا کیاتم لوگ اپنی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے ہو جب کہ امام قرأت کررہاہوتا ہے؟ سب خاموش رہے، تین بارآپ نے فرمایاتو کسی نے جواب دیا کہ ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہ کرو، اورتم میں سے ہرایک کوچاہئے کہ سورۂ فاتحہ اپنے دل میں پڑھ لے۔

امام بیہقی کہتے ہیں کہ ابوقلابہؒ کی یہ روایت حضرت انسؓ سے سنداً غیرمحفوظ ہے۔ چنانچہ ابوقلابہ کے شاگرابوایوب کے ایک شاگردعبیداللہ بن عمرورقی نے اُسے مرفوعاً نقل کیاہے جب کہ ایوب کے دوسرے شاگردجوکہ عبیداللہ بن عمرورقی سے کہیں زیادہ ثقہ اورحافظِ حدیث ہیں، مثلاً حماد، وہب، اسمٰعیل بن علیّہ، ان سب نے اسے مرسلاً نقل کیاہے نہ کہ مرفوعاً۔ (دیکھئے التعلیق الحسن علی آثارالسنن ۸۱/۱)

۳- عن ابی قلابة عن محمد بن ابی عائشة عن رجل من اصحاب النبی ﷺ قال قال النبی ﷺ لعلکم تقرؤن والامام یقرأ مرتین او ثلاثاً قالوا یارسول الله

ابوقلابہ سے مروی ہے وہ محمد ابن ابی عائشہ سے وہ اصحاب نبی میں سے ایک صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شاید کہ تم لوگ امام کی قرأت کے دوران قرأت کرتے ہو؟

او ثلاثاً قالوا یارسول اللہ انالنفعل قال لاتفعلوا الاأن یقرأ أحدکم بفاتحة الکتاب (مسند احمد وغیرہ)

آپؐ نے یہ بات دو یا تین بار ارشاد فرمائی، صحابہ کرامؓ نے جواب دیا ہاں! ہم ایسا کرتے ہیں آپ نے فرمایا نہ کیا کرو۔ البتہ تم میں سے ہر ایک سورۂ فاتحہ پڑھے۔

یہ حدیث محمد بن ابی عائشہ نے اصحاب رسولؐ میں سے کسی سے نقل کی ہے، مگر وہ کون صحابی ہیں، نام نہیں بتایا، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حضرت انسؓ ہیں مگر یہ محض احتمال ہی احتمال ہے۔ پھر یہ کہ محمد بن ابی عائشہ طبقۂ رابعہ سے تعلق رکھتے ہیں، جن کی زیادہ روایات تابعین سے ہیں اور بہت ہی کم صحابہ سے، اور یہاں محمد بن ابی عائشہؒ نے ایک نامعلوم صحابی سے روایت نقل کی ہے وہ بھی عنعنہ کے ساتھ اور یہ بھی ذکر نہیں کیا کہ ان صحابی سے ان کی ملاقات وسماع ثابت ہے یا نہیں، نیز ان صحابی کی سنِ وفات کیا ہے، تاکہ پتہ چلتا کہ ملاقات بھی تھی یا نہیں۔

اِن مجہولات کی موجودگی میں یہ حدیث قابلِ استدلال ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ (التعلیق الحسن علی آثار السنن ۱/۸۱ واعلاء السنن ۴/۱۱۸)

۴- عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال من صلّی صلوٰۃً لم یقرأ فیھابام القرآن فھی خداج ثلاثاً غیر تمام فقیل لابی ھریرۃ انانکون وراء الامام فقال اقرأ بھافی نفسک. (مسلم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی پس وہ ناقص ہے یعنی ناتمام ہے۔ کہا گیا کہ اے ابوہریرہ! ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں (جب بھی پڑھیں؟) جواب دیا اسے اپنے دل میں پڑھو۔

لیکن یہ حدیث مرفوع بھی نہیں، بلکہ موقوف ہے۔(۱) لہٰذا آیتِ قرآن اِذَاقُرِیَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف آیت ۲۰۴) اور احادیثِ مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں۔

پھر یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فتویٰ خود انہیں کی روایت کردہ اُس حدیث مرفوع سے ٹکراتا ہے جو مسلم شریف ج ۱،ص ۱۷۴، ابوداؤد ج ۱،ص ۱۰۵، ابن ماجہ ص ۶۱، نسائی ج ۱ص ۱۴۶، مسند احمد بن حنبل ج ۲،ص ۳۷۶ پر موجود ہے، الفاظ حدیث یہ ہیں:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فأنصتوا واذاقال غير المغضوب عليهم ولا الضالّين، فقولوا آمين.	حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ امام اس لئے ہوتا ہے، کہ اس کی اقتدا کی جائے، جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو، اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولا الضالّین کہے تو تم آمین کہو۔

اس حدیث میں صاف صاف ارشادِ نبویؐ موجود ہے کہ وَاِذَاقَرَأَ فَأَنْصِتُوْا (جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو) اور جب سورۂ فاتحہ ختم ہوجائے اور امام غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ کہے تو اب اپنا سکوت وخاموشی توڑ کر تمہیں آمین کہنا ہے۔

اہلحدیث علماء کے یہ چند نہایت مشہور دلائل ہیں اور کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں۔ ان کے علاوہ بھی چند اور آثار و روایات ہیں وہ بھی ضعیف ہیں، ضرورت پڑی تو انشاء اللہ تعالیٰ ثابت کردیا جائے گا۔

---

(۱) حدیث کے آگے کے الفاظ حدیث مرفوع ہیں مگر ان کا سورۂ فاتحہ کی فضیلت سے تعلق ہے، امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے کوئی تعلق نہیں۔

تنبیہ: اہلحدیث حضرات اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب. (بخاری ومسلم)	اس کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

یہ حدیث اگرچہ سنداً قوی ہے مگرامام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے سے اس کا تعلق نہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث تنہا نماز پڑھنے والے کے لئے ہے، سفیان ابن عیینہؒ بھی یہی کہتے ہیں، صحابیٔ رسول حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے۔(۱)(دیکھئے ترمذی ج۱ص۷۱،ابوداؤد ج۱ص

آمین زور سے کہنے کی ضعیف احادیث

۱-عن وائل بن حجر قال کان رسول اللہ ﷺ اذا قرأ ولا الضالّین قال آمین ورفع بھا صوته. (ابوداؤد ۱/۱۳۵،ترمذی ۱/۵۷)	وائل بن حجرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ولاالضالّین پڑھتے تو آمین کہتے تھے، آمین میں آواز کو بلند کرتے تھے۔

یہ حدیث مضطرب ہے، کیوں کہ یہ حدیث سفیانؒ کی سند سے مروی ہے اور آمین بالجہر کا تذکرہ ہے اور یہی حدیث شعبہؒ سے مروی ہے وہاں آمین بالسر کا تذکرہ ہے، وہ روایت بھی ابوداؤد، ترمذی، مسند احمد اور مستدرک حاکم وغیرہ میں موجود ہے۔ اور سفیان وشعبہ میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی جاسکتی، اور ترجیح ہوگی بھی تو شعبہ کو ہوگی، لہٰذا آمین بالسّر ہی ثابت ہوگا نہ کہ بالجہر۔

اس کے علاوہ اس روایت کا ظاہر بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(۱) اس حدیث کے متعلق چونکہ ہم اپنی کتاب ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز'' میں مکمل ومفصل بحث کرچکے ہیں اس لئے یہاں انھیں باتوں پر اکتفاء کرتے ہیں، تفصیل کے خواہشمند حضرات کتاب کا ص ۱۱۲ تا ص ۱۲۴ ملاحظہ کریں۔

صرف ایک مرتبہ آمین کہا تھا، اور وائل بن حجرؓ کی یہی روایت طبرانی کی معجم کبیر میں بھی آئی ہے، اس میں ہے کہ

قَال آمین ثلاث مرات — آپؐ نے آمین تین مرتبہ کہا۔

بیہقی میں اس حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

قال ربّ اغفرلی آمین. — آپؐ نے فرمایا رَبّ اغْفِرلِیْ آمین۔

یعنی آمین تو ایک ہی مرتبہ کہا مگر اس کے ساتھ رب اغفرلی بھی کہا۔

بہرحال اِن اختلافات کی وجہ سے اس حدیث کے اضطراب میں ذرا بھی شک وشبہ نہیں ہے۔

۲- عن ابی هريرة قال كان النبی صلی الله عليه وسلم اِذا فرغ من قراءة ام القرآن رفع صوته وقال آمين. (دار قطنی، حاکم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سورۂ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو اپنی آواز بلند کرتے اور کہتے آمین۔

اِس حدیث کے سلسلۂ سند میں اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی موجود ہے، صحاحِ ستہ کے مؤلفین نے اس کی کوئی حدیث نہیں لی، امام نسائیؒ نے کہا ہے کہ لیس بثقة (یہ ثقہ نہیں ہے) اور امام ابوداوُدؒ کہتے ہیں لیس بشیء (یہ کوئی چیز نہیں ہے)، حمص کے مشہور محدث محمد بن عوف طائیؒ نے اسے جھوٹا قرار دیا ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۱/ ۱۸۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت یوں بیان کی جاتی ہے:

۳- ترک الناس التامين وكان رسول الله صلی الله عليه وسلم

لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا، حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غیر

اذاقال غیرالمغضوب علیهم ولا الضّالّین قال آمین حتی یسمع اهل الصف الاول فیرتج بها المسجد. (ابن ماجہ)	المغضوب علیهم ولاالضّالّین پڑھتے تو آمین کہتے یہاں تک کہ پہلی صف والے سُن لیتے اوراس سے مسجد گونج جاتی۔

یہ بھی ضعیف ہے، اس میں ایک راوی بشر بن رافع ضعیف ہے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں، لایتابع فی حدیثہ (اس کی احادیث کا متابع نہیں ملتا) امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ ضعیف ہے، یحیٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ بہت سی منکر حدیثیں بیان کی ہیں۔ امام نسائی کہتے ہیں لیس بالقوی (قوی نہیں ہے) ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ بہت سی موضوع حدیثیں بیان کرتا ہے، (میزان الاعتدال) امام ترمذیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے (نصب الرای ۱/۳۷۱) اس حدیث کی سند میں دوسرا راوی ابو عبداللہ مجہول ہے۔ (حوالۂ مذکورہ)

تہذیب التہذیب میں ہے کہ علامہ ابن عبدالبرؒ ''الکنیٰ'' میں کہا ہے کہ بشر بن رافع ضعیف ہے، محدثین کے نزدیک منکرالحدیث ہے، اور کتاب الانصاف میں کہا ہے کہ اس کی روایتیں قابلِ استدلال ولائق حجت نہیں ہوتیں اور محدثین نے اس کی حدیث کے انکار پر اتفاق کیا ہے، علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں کہا ہے کہ بشر بن رافع ضعیفُ الحدیث ہے، طبقۂ سابعہ سے تعلق رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ یہی روایت بشر بن رافع کے ہی حوالہ سے ابوداؤد اور مسند ابویعلیٰ میں فیرتج بھاالمسجد (پس مسجد گونج جاتی تھی) کے الفاظ کے بغیر منقول ہے، گویا ابن ماجہ کی اس روایت کا متابع بھی موجود نہیں۔

۴- عن ام الحصین انها صلّت خلف رسول الله صلی الله علیه	ام الحصین سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز

وسلم فلما قال ولا الضّالّين قال آمين فسمعته وهي في صف النساء .

پڑھی، جب آپ ؐ نے ولا الضالّین کہا تو فرمایا آمین، آپ کے آمین کو ام الحصین نے سنا جب کہ وہ عورتوں کی صف میں تھیں۔

(مسند ابن ابی راہویہ وغیرہ)

اِس روایت میں اسمٰعیل بن مسلم مکّی ہے جو کہ ضعیف ہے، امام ترمذی نے، ترمذی شریف میں متعدد مقامات پر اس کی تضعیف کی ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی تقریب میں فرماتے ہیں کہ الحدیث ضعیفٌ (یہ حدیث ضعیف ہے) امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ھو منکر الحدیث، امام نسائیؒ کہتے ہیں ھو متروك (وہ متروک ہے) علی بن مدینیؒ کہتے ہیں لایکتب حدیثہٗ (اس کی حدیث لکھنے کے قابل نہیں ہوتی) یحییٰ ابن معینؒ فرماتے ہیں ھولیس بشیٔ (وہ کوئی چیز نہیں)

(بذل ج ۲، ص ۱۰۲، وکشف المعضلات ص ۱۷۳)

آمین بالجہر کے سلسلے میں کچھ اور روایتیں بھی اہل حدیث علماء نقل کرتے ہیں مثلاً حضرت علیؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابن زبیرؓ، حضرت بلالؓ اور عطا ابن رباحؒ کی طرف منسوب کر کے، مگر کوئی حدیث ضعف وجرح سے خالی نہیں۔ (۱)

رفع یدین منسوخ نہ ہونے کی موضوع حدیث

اہلحدیث علماء کا دعویٰ ہے کہ رفع یدین منسوخ نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تا وفات رفعِ یدین کرتے رہے، دلیل یہ حدیث ہے:

عن ابن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذاافتتح

عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز'' ص ۱۷۴ تا ۱۷۹۔

الصلوٰۃ رفع یدیہ وإذا رکع وإذا رفع راسہٗ من الرکوع وکان لایفعل ذالک فی السجود فمازالت تلک صلوتہ حتی لقی اللہ تعالیٰ. (بیہقی)

تو رفع یدین کرتے، پھر جب رکوع کرتے اور رکوع سے سر اُٹھاتے تو رفع یدین کرتے، لیکن سجدوں میں نہیں کرتے تھے، پس حضورؐ کی نماز برابر اسی طرح رہی، یہاں تک کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔

لیکن یہ حدیث ضعیف ہی نہیں بلکہ موضوع ہے، اس کے سلسلۂ سند میں کئی ایسے راوی موجود ہیں جنھیں محدثین نے کذاب اور جھوٹی حدیثیں گڑھنے والا بتایا ہے۔ مثلاً عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہروی جو کہ بغداد میں رہتا تھا اور حدیثیں گڑھا کرتا تھا، اسی طرح دوسرا راوی عصمہ بن محمد الانصاری کو ابوحاتم کہتے ہیں کہ لیس بالقوی (قوی نہیں ہے) اور یحیٰی بن معینؒ کہتے ہیں کہ کذّاب یضع الحدیث (جھوٹا ہے، حدیثیں گڑھتا ہے)۔ عقیلیؒ کہتے ہیں کہ ثقات کی طرف منسوب کرکے باطل روایتیں نقل کرتا ہے۔ امام دارِ قطنیؒ کہتے ہیں کہ متروک (متروک ہے) (میزان الاعتدال)

علاّمہ فیروزآبادیؒ نے سفر السعادت میں لکھا ہے کہ رفع یدین کی احادیث چارسو صحابۂ کرامؓ سے مروی ہیں، لیکن یہ بات بھی فرضی اور گڑھی ہوئی ہے، دیکھئے اسی کتاب کا صفحہ ۱۳۰ وغیرہ۔

جماعتِ فجر کے فوراً بعد سنت پڑھنے کی ضعیف احادیث

اہلحدیث حضرات کا عام معمول ہے کہ سنتِ فجر اگر چھوٹ جائے تو جماعت کے فوراً بعد طلوعِ آفتاب سے قبل پڑھ لیتے ہیں۔ اور دلیل اس حدیث کو بناتے ہیں:

عن محمد بن ابراهیم عن جده قیس قال خرج رسول الله صلی

محمد بن ابراہیم اپنے دادا قیسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم

الله علیه وسلم فاقیمت الصلوٰة فصلیت معه الصبح ثم انصرف النبی صلی الله علیه وسلم فوجد نی اصلّی فقال مهلاً یاقیس أصلاتان معاً قلت یارسول الله انی لم اکن رکعت رکعتی الفجر قال فلااذاً . (ترمذی ۱/۹۶)

نکلے پس نماز کھڑی کی گئی، میں نے حضورؐ کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو مجھے نماز پڑھتے ہوئے پایا، فرمایا رک جاؤ اے قیس! کیا ایک ساتھ دو نمازیں؟ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! میں نے سنتِ فجر نہیں پڑھی تھی، قیسؓ کہتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ایسا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

ابوداؤد کی روایت میں فسکت صلی الله علیه وسلم (پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے) آیا ہے۔ (۱/۱۸۰)

یہ روایت بھی ضعیف ہے، امام ترمذیؒ نے روایت نقل کرنے کے فوراً بعد اس کے ضعف کو بتادیا۔ فرماتے ہیں:

واسناد هٰذاالحدیث لیس بمتصل محمدبن ابراهیم التیمی لم یسمع من قیس. (ترمذی ج۱ ص۹۶)

اس حدیث کی سند متصل نہیں ہے، محمد بن ابراہیم تیمی نے قیسؓ سے نہیں سنا ہے۔

امام نوویؒ نے تہذیب الاسماء والصفات میں قیس کی تحقیق کے تحت اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے التعلیق الحسن علی آثار السنن ۲/۳۴)

اب ذرا قارئین غیر مقلّد علماء کی زیادتی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ لوگ عام طور پر شور مچاتے ہیں کہ صحیحین (بخاری ومسلم) کی احادیث سب پر مقدم ہیں، سب سے زیادہ صحیح ہیں بخاری ومسلم کی حدیثوں کے مقابلے میں کسی کتاب کی کسی حدیث پر عمل کیا نہیں

جاسکتا، روئے زمین پر ان دونوں کتابوں سے زیادہ صحیح حدیث کی کوئی دوسری کتاب نہیں ہے۔

مگر خود حال یہ ہے کہ یہاں بخاری شریف اور مسلم شریف کی حدیثوں کو چھوڑ دیا اور ان دونوں سے کم درجہ کی کتاب ترمذی شریف سے ایک ایسی روایت کو لے لیا جو ضعیف اور منقطع ہے اور پورے اہتمام کے ساتھ اس پر عمل شروع کر دیا، پھر یہ خیال نہیں رہا کہ یہاں بھی بخاری و مسلم کی حدیثوں کو ہی مقدم کرنا چاہئے۔ سنئے! بخاری و مسلم کی احادیث کہتی ہیں کہ نماز فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے کوئی نماز جائز نہیں ہے۔

(الف) حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت:

يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول لاصلوٰة بعد الصبح حتى ترفع الشمس ولاصلوٰة بعد العصر حتى تغيب الشمس . (بخاری ج ا ص ۸۲ و مسلم ج ا ص ۲۷۵)	ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سُنا کہ آپ فرما رہے تھے کوئی نماز نہیں ہے نماز صبح کے بعد، یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور کوئی نماز نہیں ہے نمازِ عصر کے بعد، یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

(ب) حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت:

عن ابی العالیة عن ابن عباس قال شهد عندی رجال مرضيون وأرضاهم عندی عمر ان النبی صلی الله عليه وسلم نهیٰ عن الصلوٰة بعد الصبح حتى تشرق	ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میرے پاس بہت سے پسندیدہ لوگوں نے گواہی دی اور ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک حضرت عمرؓ ہیں، یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع

الشمس وبعد العصر حتی تغرب. (حوالہ مذکورہ)

فرمایا ہے نماز فجر کے بعد نماز پڑھنے سے، یہاں تک کہ سورج نکل آئے، اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

عیدین میں بارہ تکبیروں کی ضعیف احادیث

اہلحدیث حضرات نمازِ عیدین میں بارہ زائد تکبیریں کہتے ہیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں، اور اس سلسلے میں جتنی حدیثیں بھی یہ لوگ پیش کرتے ہیں سب کی سب انتہائی ضعیف ہیں، مثلاً دیکھئے یہ احادیث:

۱- عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده ان النبی صلی الله علیه وسلم کبر فی عید ثنتی عشرة تکبیرة سبعا فی الأولیٰ و خمسا فی الأخرة. (مسند احمد وابن ماجہ وغیرہ)

عمر بن شعیب اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز میں بارہ تکبیریں کہیں، سات پہلی میں، پانچ دوسری میں۔

اس کی سند قوی نہیں، اس کے ایک راوی عبداللہ بن عبدالرحمٰن طائفی کو ابن معینؒ نے ضعیف کہا ہے، امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ لیس بالقوی (قوی نہیں ہے) سعید بن قطانؒ کہتے ہیں کہ الطائفی هذا ضعفه جماعة منهم ابن معین (طائفی کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے ان میں سے ایک ابن معینؒ بھی ہیں)

۲- دوسری حدیث اس سے بھی زیادہ ضعیف ہے:

عن عمرو بن عوف المزنی أن النبی ﷺ کبّر فی العیدین فی الاول سبعا قبل القراءة. (ترمذی وابن ماجہ)

عمرو بن عوف مزنی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین میں قرأت سے قبل پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہیں۔

اس کے ایک راوی کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف مزنی کے بارے میں ابن معینؒ کہتے ہیں کہ لیس بشیٔ (وہ کوئی چیز نہیں ہے)، امام شافعیؒ اور امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں رکن من ارکان الکذب (جھوٹ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے)۔ امام احمد بن حنبلؒ نے غلط حدیث بیان کرنے پر اس کی پٹائی بھی کی تھی، امام دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ متروك (وہ متروک ہے) امام نسائیؒ کہتے ہیں کہ لیس بثقة (ثقہ نہیں ہے)

(میزان الاعتدال للذهبی)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب میں فرماتے ہیں کہ ضعیف من السابعة (ضعیف ہے طبقۂ سابعہ میں سے ہے)

۳- ایک روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کر کے ابن ماجہ اور ابوداؤد میں مروی ہے وہ بھی ضعیف ہے کیوں کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ ہے جس کا متکلّم فیہ ہونا بے حد معروف ہے۔

۴- ایک روایت ابن ماجہ کی سعد مؤذنؒ سے مروی بتائی جاتی ہے، اس میں عبدالرحمٰن بن سعد کو ابن معینؒ نے ضعیف کہا ہے، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب میں ضعیف کہا ہے، ذہبیؒ کہتے ہیں لیس بذاك۔

تمام نمازیں مطلقاً اوّل وقت میں پڑھنے کی ضعیف حدیث

اہلِ حدیث علماء تمام نمازوں کو ہمیشہ اور ہر موسم میں اول وقت میں پڑھنے پر زور دیتے ہیں اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا ہی حدیث سے ثابت ہے۔ حالانکہ نماز کے اوقات کے متعلق جو احادیث مروی ہیں ان سب کو پیش نظر رکھنے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ تمام نمازوں کا ایک وقت تو وہ ہے جو ابتداء سے انتہا تک

ہے، دوسرا اس پورے وقت میں مستحب وقت ہے، نمازیں مستحب وقت کے اول میں ادا کرنی چاہئیں نہ کہ نماز کے پورے وقت کے اول میں۔

یوں بھی اہلحدیث حضرات جن احادیث سے استدلال کرتے ہیں وہ ضعیف ہیں مثلاً:

۱ – عن ام فروه قالت سئل النبی صلی الله علیه وسلم أی الأعمال أفضل قال الصلوٰة لأوّل وقتها. (ترمذی ۱/۴۲)	ام فروہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ نماز اس کے اول وقت میں پڑھنا۔

اِس حدیث کے سلسلۂ سند میں عبداللہ بن عمر عمری کا نام آتا ہے اور ان کے بارے میں امام ترمذیؒ فرماتے ہیں:

ولیس هو بالقوی عند اهل الحدیث. (ج ۱ ص ۴۳)	وہ محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے۔

یہاں غیر مقلدین نے بخاری شریف جلد اول ص ۸۱ پر نماز عشاء کے متعلق حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی چھوڑ دیا:

کان النبی صلی الله علیه وسلم یستحب تاخیرها.	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کو مؤخر کر کے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے۔

اسی طرح بخاری ج ۱ ص ۷۷، مسلم ج ۱ ص ۲۲۴ پر نماز ظہر کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نظر انداز کر دیئے:

فاذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوٰة.	پس جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو۔

اور بخاری ج ۱، ص ۱۲۴ کی یہ حدیث بھی:

كان النبی صلی الله عليه وسلم اذا اشتد البرد بكّر بالصلوٰة واذا اشتد الحرّ ابرد بالصلوٰة.	جب سردی سخت ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو اول وقت میں پڑھتے تھے اور جب گرمی سخت ہوتی تھی تو ٹھنڈے وقت میں پڑھتے تھے۔

اسی طرح نماز فجر سے متعلق ترمذی ج ۱ ص ۴۰، ابوداؤد ج ۱ ص ۶۱، ابن ماجہ ص ۴۹، نسائی ج ۱، ص ۹۴ وغیرہ پر مختلف الفاظ سے منقول یہ روایت بھی ترک کردی۔

عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله صلی الله عليه وسلم يقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للأجر.	رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے سُنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ نماز فجر اُجالا کر کے پڑھو اس لئے کہ یہ اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

اور سنئے! مشہور محدث امام ابن خزیمہؒ کیا فرماتے ہیں:

باب ذكر الدليل على ان النبی صلی الله عليه وسلم انما أراد بقوله الصلوٰة فی اول وقتها بعض الصلوٰة دون جميعها وبعض الأوقات دون جميع الأوقات إذقد أخبر النبی صلی الله عليه وسلم بتبريد الظهر فی شدة الحر وقد اعلم ان لولاضعف الضعيف وسقم السقيم لأخّر صلوٰة العشاء	اِس دلیل کا ذکر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے الصلوٰة فی اول وقتها سے بعض نمازوں کو مراد لیا ہے نہ کہ تمام نمازوں کو، اور اسی طرح بعض اوقات کو مراد لیا ہے نہ کہ تمام اوقات کو، اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت گرمی میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی خبر دی ہے، اور یہ بھی بتادیا ہے کہ اگر ضعیف کا ضعف اور بیمار کی بیماری مانع

الآخر الی شطر اللیل .
(صحیح ابن خزیمہ جلد اول ص ۱۶۹)

نہ ہوتی تو میں نمازِ عشاء کو نصف رات تک مؤخر کرتا۔

چار دن قربانی کی ضعیف احادیث

قربانی کے صرف تین دن ہیں، ۱۰/۱۱/۱۲/ذی الحجہ، جیسا کہ مؤطا امام مالکؒ میں عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے:

الأضحیٰ یومان بعدیوم الأضحیٰ
(۱۸۸ کتاب الضحایا)

قربانی دو دن ہے، قربانی کے دن کے بعد

اسی طرح کی روایت امام مالکؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی نقل کی ہے۔
(حوالۂ مذکورہ)

یہ وہ روایتیں ہیں جن کی صحت میں کلام نہیں (۱)، دوسری طرف چار دن قربانی یعنی سابقہ تین دن میں تیرہ تاریخ کا اضافہ، احادیثِ صحیحہ سے ثابت نہیں، مثلاً یہ حدیث:

أیام التشریق کلھا أیام الذبح

ایامِ تشریق سب کے سب ذبح کے دن ہیں۔

یا یہ حدیث:

کل أیام التشریق ذبح

سارے ایامِ تشریق، ذبح کے دن ہیں۔

یہ مسندِ احمد، صحیح ابن حبّان، دارِ قطنی اور مسند بزار میں آئی ہوئی ہیں، مگر اسے عبدالرحمن بن ابی حسین نے جبیرؓ بن مطعم سے نقل کیا ہے، جب کہ ابن حسین کی جبیر بن مطعم سے ملاقات ثابت نہیں۔ لہٰذا یہ منقطع ہے۔ اسی طرح بعض روایتوں کی سند میں معاویہ بن یحییٰ صوفی ہے جو انتہائی ضعیف راوی ہے، اور اس کی سند میں اضطراب بھی ہے،

---

(۱) مزید روایت کے لئے دیکھئے اعلاء السنن ۱۷/۲۳۰

اسی طرح ایک راوی سلمان بن موسیٰ ہے جو کہ متکلّم فیہ راوی ہے، امام بخاریؒ کہتے ہیں کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں، امام نسائی نے کہا کہ لیس بالقوی (وہ قوی نہیں ہے)

امام نوویؒ نے اس روایت کو کہیں موقوف، کہیں مرسل قرار دیا ہے، اور جہاں یہ سندِ متصل کے ساتھ وارد ہے، وہ ضعیف ہے۔ ایک اور روایت ایام منیٰ ایام نحر (ایام منیٰ، ایام قربانی ہیں) کو امام بیہقیؒ نے غیر معتمد قرار دیا ہے، اس سلسلے کی بعض روایتیں موضوع بھی ہیں۔ (۱)

یہاں ایک بات قابلِ غور یہ ہے کہ قربانی کے تین دن ۱۰/۱۱/۱۲/ ذی الحجہ قطعی اور یقینی ہیں اور ۱۳/ ذی الحجہ کا یومِ قربانی ہونا ضعیف اور غیر معتمد احادیث سے ثابت ہے، لہٰذا مشکوک ہے۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ متیقن کو لے لیا جائے اور مشکوک و محتمل کو چھوڑ

وفی الأخبار تعارض فاخذنا بالمتیقن وھو الأقل۔ (۲)

دیا جائے، لیکن غیر مقلد علماء اِس احتیاط کے قائل نہیں، اسی لئے احادیثِ ضعیفہ پر عمل کرتے ہوئے چار دن قربانی پر زور دیتے ہیں، اور ایسی احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں سے ایک بھی حدیثِ صحیح مرفوع متصل نہیں۔ بلکہ منقطع، ضعیف، بلکہ بعض موضوع ہے۔ (۳)

آٹھ رکعات تراویح کی ضعیف احادیث

پہلی روایت:- صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، قیام اللیل اور معجم صغیر میں حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے:

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے مرقات المفاتیح ۲/۳۱۴، التعلیق الصبیح ۲/۱۷۲، الدرایہ فی تخریج احادیث الهدایہ علی ہامش الهدایہ ۴/۴۴۶ (۲) احادیث میں تعارض ہے اس لئے ہم نے متیقن کو لے لیا جو کہ کم والا ہے۔ یعنی تین دن (بدایہ ۴/۴۴۶)

(۳) اعلاء السنن ۱۷/۲۳۰ تا ۲۳۵۔

صلّی بنارسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان ثمان رکعات والوتر.	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رمضان المبارک میں آٹھ رکعتیں اور وتر پڑھائی۔

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضورؐ نے تراویح تین رات پڑھائی، اس کے بعد تشریف نہیں لائے۔ اور حضرت جابرؓ کی اس روایت میں صرف ایک رات پڑھنے اور دوسری رات میں نہ نکلنے کا ذکر ہے جیسا کہ اسی روایت میں آگے یوں مذکور ہے:

فلما کانت اللیلة القابلة اجتمعنا فی المسجد رجونا أن یخرج فیصلی بنا فأقمنا فیه حتی اصبحنا فقلنا یارسول الله رجونا أن تخرج فتصلی بنا فقال انی کرهت أو خشیت أن یکتب علیکم الوتر.	پس جب اگلی رات ہوئی تو ہم مسجد میں جمع ہوئے، اس امید پر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، پس ہم صبح تک وہیں رہے، (صبح کے وقت) ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں امید تھی کہ آپ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپؐ نے فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے۔
(قیام اللیل ص، صحیح ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۳۸)	

اور میزان الاعتدال میں لیلة (ایک رات) کی تصریح بھی ہے، لہٰذا متعین نہیں کہ یہ انہیں تین راتوں میں سے کسی رات کا واقعہ ہے، چنانچہ شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ اِس روایت کو انہیں تین راتوں میں سے کسی رات کا واقعہ قرار دینے میں متردد ہیں۔

(فتح الباری ج ۳ ص ۱۲)

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس روایت کے تین تین راوی ضعیف اور مجروح ہیں، چنانچہ غور کیجئے کہ یہ حدیث درج ذیل دو سلسلۂ سند سے آتی ہے،

(۱) اسحٰق، ابوالربیع، یعقوب قمی، عیسیٰ بن جاریہ، جابر بن عبداللہؓ

(۲) محمد بن حمید رازی، یعقوب قمی، عیسیٰ بن جاریہ، جابر بن عبداللہؓ۔

یہی دو سلسلۂ سند ہر جگہ ملے گا، خواہ صحیح ابن خزیمہ ہو یا محمد بن نصر مروزیؒ کی قیام اللیل یا کوئی اور کتاب، جس میں یہ روایت درج ہے، سب سے پہلے دونوں سندوں میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے اس روایت کو نقل کرنے کا جو شخص دعویدار ہے وہ ہے عیسیٰ بن جاریہ، اس کے متعلق خود صحیح ابن خزیمہ کے ہی حاشیہ پر ہے۔

عیسیٰ بن جارية فيه لين . عیسیٰ بن جاریہ میں کمزوری ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ج ۲، ص ۱۳۸)

جب عیسیٰ بن جاریہ میں ضعف ثابت ہوگیا تو یہ پوری روایت ہی ضعیف ہوگئی، کیوں کہ دونوں سندوں سے اس حدیث کا دارومدار عیسیٰ بن جار پر ہی تھا۔ یہ تو عیسیٰ بن جاریہ کے متعلق صحیح ابن خزیمہ کے محشی کی رائے تھی، اب دیگر ائمہ جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ کریں اور سوچیں کہ اس روایت کی کمزوری کس حد تک پہونچ گئی ہے۔ یحیٰ بن معینؒ کہتے ہیں۔ ليس بذاك عنده مناكير۔ وہ قوی نہیں ہے، اس کے پاس متعدد منکر روایتیں ہیں۔

امام نسائیؒ اور امام ابوداوٗدؒ کہتے ہیں منکر الحديث (وہ منکر الحدیث ہے) امام نسائیؒ فرماتے ہیں متروك (وہ متروک الحدیث ہے، اس کی حدیثیں نہیں لی جاتیں) ساجیؒ اور عقیل کہتے ہیں کہ ضعفاء میں شامل ہے، ابن عدیؒ کہتے ہیں اس کی حدیثیں محفوظ نہیں ہیں (یعنی شاذ و منکر ہیں)

(دیکھئے میزان الاعتدال ج ۲، ص ۳۱۱، تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۸)

حافظ ابن حجرؒ نے بھی تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۰۷ پر عیسیٰ بن جاریہ کو لين الحديث کہا ہے اور علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال ج ۲ ص ۳۱۱ پر عیسیٰ بن جاریہ کی

منکر حدیثوں کی مثال میں یہی حدیث پیش کی ہے، مولانا عبدالرحمن مبارکپوریؒ نے علامہ سخاویؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ منکر الحدیث ہونا آدمی کا ایسا وصف ہے جس کی بنا پر اس کی حدیث قابلِ ترک ہو جاتی ہے۔ (ابکار المنن ص ۱۹۱)

یہ تو پہلے راوی عیسیٰ بن جاریہ کا حال تھا، اس کے بعد دونوں ہی سندوں میں ایک اور نام آتا ہے وہ ہے یعقوب قمی کا نام، اس کے متعلق امام دار قطنیؒ فرماتے ہیں لیس بالقوی وہ قوی نہیں ہے، میزان الاعتدال ج ۳، ص ۳۲۴) دوسری سند میں یعقوب قمی سے پہلے ایک نام محمد بن حمید رازی کا ہے۔ اس کے متعلق امام ذہبیؒ کہتے ہیں ھو ضعیف (وہ ضعیف ہے)، یعقوب بن شیبہؒ کہتے ہیں کثیر المناکیر (بہت منکر حدیث بیان کرتا ہے) امام بخاریؒ کہتے ہیں، فیہ نظر اس میں نظر ہے (اعتراض) ہے ابوزرعہؒ کہتے ہیں، وہ جھوٹا ہے کذبہ ابوزرعہ، اسحاق کوسج کہتے ہیں اشھد أنہ کذاب میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے صالحہ جزرہؒ کہتے ہیں فی کل شیءٍ یحدث مارأیت اجرأ علی اللہ منہ کان یاخذ احادیث الناس فیقلب بعضہ علی بعض (ہر چیز کے بارے میں حدیثیں بیان کرتا ہے، اللہ پر اس سے زیادہ جری شخص میں نے نہیں دیکھا، لوگوں کی حدیثوں کو بدل دیتا ہے) ابن خراشؒ کہتے ہیں کان واللہ یکذب خدا کی قسم وہ جھوٹا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں لیس بثقة وہ معتبر نہیں ہے۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جس حدیث کے سلسلۂ سند میں تین تین ضعیف راوی موجود ہوں، اس حدیث کا درجہ کیا رہا، بلوغ المرام میں بھی یہ روایت موجود ہے مگر اس میں رکعتوں کا ذکر ہی نہیں۔

دوسرا اضطراب یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے:

فقلنا یارسول الله (صلی الله علیه وسلم) رجونا أن تخرج فتصلی بنا فقال انی کرهت او خشیت أن یکتب علیکم الوتر

(بلوغ المرام ص۴۲،۴۳)

ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! ہمیں امید تھی کہ آپ نکلیں گے اور ہمیں نماز پڑھائیں گے، آپؐ نے فرمایا مجھے خوف ہوا کہ کہیں تم پر وتر فرض نہ ہو جائے،

(صحیح ابن خزیمہ ج ۲، ص ۱۳۸)

گویا وتر فرض ہو جانے کے خوف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے، جبکہ احادیثِ صحیحہ سے قیامِ رمضان (تراویح) فرض ہو جانے کے خوف سے تشریف نہ لانا منقول ہے۔ خود ابن خزیمہ نے اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے باب ذکر دلیل بأن الوتر لیس فرض اس بات کی دلیل کہ وتر فرض نہیں ہے۔

(ج ۲، ص ۱۳۸)

دوسری روایت:- حضرت جابرؓ کی ہی دوسری روایت اس طرح ہے:

جاء أبی کعب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال یارسول الله أنه کان من اللیلة شئ بقی فی رمضان قال وماذاک یاأبی قال نسوة فی داری قلن انالانقرأالقرآن فنصلی بصلاتک قال فصلیت بهن ثمان رکعات وأوترت فکان سنة الرضاء لم یقل شیئا .

(ابویعلیٰ، قیام اللیل)

ابی بن کعبؓ، رسول اللہؐ کے پاس آئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ! رمضان کی گذشتہ رات مجھ سے ایک بات ہوگئی، آپؐ نے فرمایا وہ کیا اے ابی؟ جواب دیا میرے گھر کی عورتوں نے مجھ سے کہا کہ ہم قرآن نہیں پڑھ سکتے، تو ہم بھی آپ کی نماز کے ساتھ نماز پڑھیں گے چنانچہ ہم نے ان کو آٹھ رکعت پڑھائی اور وتر بھی پڑھائی، پس یہ سنتِ رضا ہوئی اور حضورؐ نے کچھ نہیں کہا۔

قیام اللیل ص ۱۵۵ پر علامہ مروزیؒ نے اس کی سند نقل کی ہے، اس میں بھی وہی خرابی ہے جو پہلی روایت میں ہے، یعنی سلسلۂ سند میں عیسیٰ بن جاریہ موجود ہے، لہٰذا محدثین کے نزدیک ضعیف، منکر الحدیث اور غیر معتبر ہونے کی وجہ سے یہ روایت بھی قطعاً قابلِ استدلال نہیں، اس کے علاوہ یعقوب قمی بھی ہے جس نے اس روایت کو مزید ضعیف بنادیا۔

ایک مجلس کی تین طلاق ایک ہونے کی ضعیف حدیث

اہلِ حدیث حضرات ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک کہتے ہیں اور تمام قوی و معتبر و مستند احادیث اور ائمہ اربعہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ) کے مسلک کو چھوڑ کر درج ذیل انتہائی ضعیف حدیث کا سہارا لیتے ہیں:

عن ابن عباس قال طلق ركانة بن عبديزيد اخو بنى عبدالمطلب امرأة ثلاثاًفى مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديداً قال فسأله رسول الله ﷺ كيف طلقتها قال طلقتهاثلاثا قال فقال فى مجلس واحدٍ قال نعم قال فانماتلك واحدة فارجعها ان شئت قال فرجعها.

(مسند احمد ص ۲۲۵ حدیث ۲۳۸۷)

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رکانہ بن عبد یزید جو کہ عبدالمطلب کے بھائی تھے، انھوں نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دیدی، پھر بہت غمگین ہوئے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی تھی، جواب دیا تین طلاق دی تھی، آپؐ نے فرمایا ایک مجلس میں؟ جواب دیا ہاں! آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو بیوی سے رجعت کرلو۔ راوی کہتے ہیں کہ رکانہؓ نے رجعت کرلی۔

اس روایت میں سخت اضطراب ہے (۱) یہ اتنی ضعیف ہے کہ کسی محدث نے اسے صحیح اور قابلِ استدلال نہیں کہا، بلکہ جس نے بھی اس کے بابت کوئی گفتگو کی، ضعیف ہی کہا، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تلخیص میں اس حدیث کو ذکر کر کے فرمایا ہے ھو معلول ایضاً (یہ حدیث بھی معلول ہے، ص ۳۱۹)۔ علامہ ذہبیؒ نے اسے داؤد بن حصین کے مناکیر میں شمار کیا ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بلوغ المرام میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وقد روی ابوداؤد من وجه آخر احسن منه ان رکانة طلق امرأته سهيمة البتة. (ص ۱۲۹)	ابوداؤدؒ نے اس حدیث کو دوسری سند سے جو اس سے عمدہ ہے، بیان کیا ہے کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاقِ البتہ دی تھی۔

چنانچہ واقعۂ رکانہؓ کے سلسلے میں سندِ صحیح سے مروی ابوداؤد وترمذی وغیرہ کی روایات یہ ہیں:

۱- عن نافع بن عجير بن عبديزيد بن ركانة ان ركانة بن عبديزيد طلق امرأته سهيمة البتة فاخبر النبي ﷺ بذالک وقال والله ما اردت الا واحدة فقال رسول الله ﷺ والله ماردت الا واحدة فقال ركانة والله ماردت الا واحدة فردها اليه رسول الله ﷺ فطلقها	نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ سے مروی ہے کہ رکانہؓ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاقِ البتہ دی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور بتایا کہ اللہ کی قسم! میں نے ایک کا ہی ارادہ کیا تھا، آپؐ نے فرمایا، "اللہ کی قسم! تم نے ایک کا ہی ارادہ کیا تھا؟" رکانہؓ نے جواب دیا، اللہ کی قسم! میں نے ایک کا ہی ارادہ کیا تھا۔

(۱) تفصیل کے دیکھئے طلاق ثلاث صحیح ماخذ کی روشنی میں ص ۴۳۔

الثانية فی زمان عمر والثالثة فی زمان عثمان.

(ابوداؤد ا/۳۰۰ باب فی البتۃ)

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی کو انھیں کی طرف لوٹا دیا، پھر رکانہؓ نے اپنی بیوی کو دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں دی، اور تیسری طلاق حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں دی۔

۲۔ عن عبدالله بن علی بن یزید بن رکانة عن ابيه عن جده انه طلق امرأته البتة فأتی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقال ماأردت قال واحدة قال والله قال والله قال هو علیٰ ماأردت قال ابوداؤد وهٰذا اصح من حديث ابن جريح ان رکانة طلق امرأته ثلاثا لانهم اهل بيته وهم اعلم به وحديث ابن جريح رواه عن بعض بنی ابی رافع عن عکرمة عن ابن عباس.

(ابوداؤد ا/۳۰۰، ترمذی ا/۲۲۲ باب ماجاء فی الرجل طلق امرأته البتۃ، دارقطنی ۴/۱۹ حدیث ۳۹۳۳)

عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہؓ اپنے والد سے، وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے دادا (رکانہ) نے اپنی بیوی کو طلاقِ البتہ دی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ نے فرمایا تم نے کیا ارادہ کیا تھا، انھوں نے جواب دیا ایک کا ارادہ کیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ کی قسم! ایک کا ارادہ کیا تھا؟'' انھوں نے جواب دیا ''اللہ کی قسم! ایک کا ارادہ کیا تھا'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''وہ اسی کے مطابق ہے جو تم نے ارادہ کیا'' امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ابن جریجؒ کی اُس حدیث سے زیادہ صحیح ہے جس میں ابن جریج نے بیان کیا ہے کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھی، کیوں یہ لوگ (یعنی

عبداللہ، ان کے والد علی، ان کے دادا یزید)
رکانہ کے گھر کے لوگ ہیں اور گھر کے
معاملات کو وہ (دوسرے کے مقابلے میں)
زیادہ جانتے ہیں اور ابن جریج کی روایت کو
ابورافع کی بعض اولاد نے عکرمہؒ سے، انھوں
نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر کسی کے گھر میں نکاح وطلاق وغیرہ کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو، تو واقعہ کی پوری نوعیت، حقیقی پس منظر اور واقعی صورت حال گھر والے ہی جانتے ہیں، دوسرے لوگوں کا مدارِ علم، عام طور پر سنی سنائی باتوں پر ہوتا ہے۔ اور گھر والے چونکہ صاحبِ معاملہ ہوتے ہیں اس لئے اصل واقعہ سے وہی واقف ہوتے ہیں۔

واقعہ رُکانہ میں، حضرت رکانہؓ نے تین طلاق صریحاً دی تھی، یا کوئی کنائی لفظ استعمال کیا تھا، اس کے بارے میں گھر والوں سے زیادہ، دوسرے لوگ واقف نہیں ہوسکتے۔ اگر گھر کے لوگ کہتے ہیں کہ وہ کنائی طلاق تھی، لفظِ البتہ کے ذریعہ تھی، اور دوسرے کہیں کہ صریح تین طلاق تھی، تو گھر والوں کی بات کا ہی اعتبار ہوگا، اور اس صورت میں یہ بات اور بھی زیادہ اہم ہوجاتی ہے، جب دوسرے ثقہ لوگ بھی، گھر کے اُن راویوں کو ثقہ تسلیم کرتے رہے ہوں، اور اس واقعہ کے بیان کرنے میں بھی ثقہ تسلیم کریں۔

امام ابوداؤدؒ کا عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہؒ کی روایت کو ابن جریجؒ کی روایت کے مقابلے میں زیادہ صحیح قرار دینا اسی حقیقت کا غماز ہے۔

امام ابوداؤد ایک اور جگہ یوں فرماتے ہیں:

حدیث نافع بن عجیر و عبدالله بن　　　　نافعؒ بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن

علی بن یزید بن رکانة عن أبیه عن جده ان رکانة طلق امرأته فردّ هاالیه النبی صلی الله علیه وسلم أصحّ لانهم ولدالرجل وأهله اعلم به ان رکانة انماطلق امرأته البتة فجعلها النبی صلی الله علیه وسلم واحدةً .

(ابوداؤدشریف ۲۹۹۶/۱)

رکانہؓ اپنے والد سے وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رکانہ نے اپنی بیوی کوطلاق دی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی انھیں کولوٹا دی، یہ روایت زیادہ صحیح ہے کیوں کہ وہ ان کی اولاد ہیں، اورگھر والے زیادہ جانتے ہیں کہ رکانہؓ نے اپنی بیوی کوطلاقِ البتہ دی تھی لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک قرار دیا۔

امام نوویؒ شافعی شارح مسلم فرماتے ہیں:

وأما الروایة التی رواها المخالفون ان رکانة طلق ثلاثاً فجعلها واحدة فرواته ضعیفة عن قوم مجهولین وانما الصحیح منها ماقدمنا وانه طلقها البتة ولفظ البتة محتمل للواحدة والثلاث ولعل صاحب هٰذهِ الروایة الضعیفة اعتقد ان لفظ البتة یقتضی الثلاث فرواه بالمعنی الذی فهمه وغلط فی ذالک.

(نووی علی المسلم ج۱ص۴۷۸)

وہ روایتیں جنھیں مخالفین نے روایت کیا ہے کہ رکانہؓ نے تین طلاق دی تھی لہٰذا آپؐ نے اسے ایک قرار دیا، تواس کے راوی ضعیف ہیں،اور مجہول لوگوں سے مروی ہے، صحیح وہی ہے جوہم نے پیش کی کہ رکانہ نے بیوی کوطلاقِ البتہ دی تھی اورالبتہ کالفظ ایک اورتین دونوں کااحتمال رکھتاہے، کمامر،اس ضعیف روایت والے راوی سمجھے کہ البتہ، تین طلاق کوچاہتاہے، چنانچہ انھوں نے اُس معنیٰ میں روایت کردیا جوانھوں نے سمجھا اوراس سلسلے میں

وہ غلطی میں مبتلا ہو گئے،

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت رکانہؓ نے مطلقاً تین طلاق نہیں دی تھی جس طرح اہلحدیث حضرات آج کل دیتے ہیں اور رجوع کر لیتے ہیں، اور دوسروں کو بھی یہی تبلیغ کرتے پھرتے ہیں، بلکہ انھوں نے ''البتہ'' کے لفظ سے طلاق دی تھی جو کہ طلاقِ کنائی ہے اور طلاقِ کنائی میں بشرطِ نیت ایک طلاق اور تین طلاق، دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اگر ایک کی نیت ہو تو ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور تین کی نیت کی ہو تو تین طلاق، ایسا نہیں تھا کہ انھوں نے ان الفاظ کے ساتھ طلاق دی ہو کہ ''تم کو تین طلاق'' یا ''طلاق، طلاق، طلاق''۔

مسند احمد کی جس روایت میں بیک مجلس تین طلاق دینے اور پھر رجوع کر لینے کا ذکر ہے، وہ واقعہ رُکانہؓ کے سلسلے میں انتہائی ضعیف اور کمزور روایت ہے جیسا کہ اوپر کے حوالجات سے صاف ظاہر ہے کہ کسی محدث نے بھی اسے صحیح اور قابل استدلال نہیں سمجھا۔ لیکن غیر مقلد حضرات جو ہمیشہ حدیثِ صحیح مرفوع متصل کا نام لیتے ہیں اپنے معاملے میں مجہول نامعلوم لوگوں کی کس قدر ضعیف کمزور اور بے بنیاد روایت کا سہارا لے رہے ہیں۔ جب کہ اس حدیثِ ضعیف کے بالمقابل یہی واقعہ سندِ صحیح وقوی کے ترمذی شریف اور ابوداؤد شریف دونوں میں موجود ہے، اس میں کہیں ذکر نہیں کہ رکانہؓ نے ایک مجلس میں تین طلاق دی تھی۔ بلکہ اس میں وہی بات ہے جو امام نوویؒ نے مسلم شریف کی شرح میں لکھی ہے کہ حضرت رکانہؓ نے طلاقِ کنائی دی تھی لفظ ''البتہ'' کے ساتھ جس میں طلاق کی تعداد و مقدار متعین کرنے کے سلسلے میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے، کیوں کہ طلاقِ کنائی میں تعداد کے متعلق کوئی لفظ نہیں مذکور ہوتا، مثلاً اس لفظ ''البتہ'' کو دیکھئے! جس کے لغوی معنیٰ یقینی اور قطعی کے ہیں۔ اس میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو کہ طلاق کی تعداد پر دلالت کرے۔

لہٰذا اس میں طلاق دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے کہ اس نے ایک کی نیت کی تھی یا تین کی، جو نیت بتائے گا اسی کے مطابق طلاق کی تعداد کا فیصلہ ہوگا۔

امام ترمذیؒ، حدیث رکانہؓ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

قد اختلف اهل العلم من أصحاب النبی ﷺ وغیرهم فی طلاق البتة فروی عن عمر بن الخطاب انه جعل البتة واحدة وروی عن علی انه جعلها ثلاثا وقال بعض اهل العلم فیه نیة الرجل ان نویٰ واحدة فواحدة وان نویٰ ثلاثا فثلاث وان نویٰ ثنتین لم تکن الا واحدة وهو قول الثوری واهل الکوفة.

(ترمذی ۱/۲۲۲)

طلاق البتہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اہلِ علم نے اور ان کے علاوہ دوسرے تابعین وتبع تابعین اہل علم نے اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے اُسے ایک طلاق قرار دیا ہے۔ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے اسے تین طلاق قرار دیا ہے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس میں آدمی کی نیت کا اعتبار ہے، اگر ایک کی نیت کرے گا تو ایک ہوگی، تین کی نیت کرے گا تو تین ہوگی۔ لیکن اگر وہ دو کی نیت کرے گا تو بھی ایک ہی ہوگی۔ یہی سفیان ثوری اور اہلِ کوفہ کا قول ہے۔

بہر حال واقعہ رُکانہؓ کے سلسلے میں حدیث قوی واصح کو چھوڑ کر ضعیف وکمزور روایت سے استدلال کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر مقلدین اس مسئلہ میں تنہا رہ گئے، اور ائمہ اربعہ سمیت، جمیع علمائے امت نے ان کی رائے کو رد کر دیا اور ایک وقت کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا۔

امام نوویؒ جو کہ شافعی المسلک ہیں، شرح مسلم میں ان احادیث پر گفتگو کرتے

ہوئے بتاتے ہیں کہ:

فقال الشافعی ومالک وابو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث. (نووی علی المسلم ۱/۴۷۸)	امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ اور سلف سے لے کر خلف تک جمہور علماء کہتے ہیں کہ تینوں طلاق واقع ہوجائے گی۔

چنانچہ اسی کتاب کے ص۱۱۲ پر غیر مقلدین کا اعتراف ملاحظہ کیجئے کہ ایک وقت کی تین طلاق، ایک ہونے کا مسئلہ عہد صحابہؓ وتابعین وتبع تابعین کے سات سو سال بعد کا ایجاد کردہ ہے۔

ایک اور روایت اور اس کا حال

تین طلاق کے ایک ہونے کے سلسلے میں غیر مقلدین کی ایک اور روایت کا حال دیکھئے:

عن ابن طاؤس عن ابیه عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وسنتین من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة علیهم فلو امضیناه فامضاه علیهم.	طاؤس کے صاحبزادے اپنے والد طاؤسؒ سے، وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ تین طلاق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر کے زمانۂ خلافت اور حضرت عمر کے زمانۂ خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایک تھی، حضرت عمرؓ نے کہا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملہ میں جلد بازی شروع کردی ہے جب کہ انھیں اس معاملہ میں

غور وفکر کا موقع حاصل تھا، پس کیوں نہ ہم
اُن پر اِن طلاقوں کو نافذ کر دیں، چنانچہ
حضرت عمرؓ نے تینوں طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

طاؤس کی یہ روایت مسلم ج۱ص ۴۷۷ و ۴۷۸ وابوداؤد ج ۲ رص ۲۹۹ میں تین طرح سے آئی ہوئی ہے۔اس روایت کو امام حاکم نے بھی المستدرک میں نقل کیا ہے۔لیکن یہ اپنے راوی عبداللہ بن الموصل کے منکر الحدیث اور دیگر کمزوریوں کی بناپر ساقط الاعتبار ہے، الفاظ کے اختلاف واضطراب کی وجہ سے امام قرطبیؒ نے اس حدیث کو مضطرب قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ۴۵۶/۹)

اس اختلاف واضطراب سے یہ بھی ظاہر ہورہا ہے کہ راوی اُسے اچھی طرح ضبط وحفظ نہیں کرسکا۔ روایت کے استحضار اور حفظ واتقان میں یہ کمی بتارہی ہے کہ راوی کو روایت کرنے میں چوک ہوئی ہے، چنانچہ مشہور محدث حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

ورواية طاؤس وهم وغلط لم يعرج عليها احد من فقهاء الامصار بالحجاز والشام والعراق والشرق والغرب.	طاؤسؒ کی روایت وہم وغلط ہے، حجاز وشام عراق اور مشرق ومغرب کے فقہائے امصار میں سے کسی نے اس پر اعتماد نہیں کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۲۹/۳)

پھر یہ کہ اس روایت کے اصل راوی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے فتاوے خود اس روایت کے خلاف ہیں، وہ ہمیشہ تین طلاق کے تین ہونے کا ہی فتویٰ دیتے رہے۔ان کے تمام شاگردوں نے ان سے یہی نقل کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عہدِ رسالت، عہد صدیقی اور خلافتِ عمر کے ابتدائی سالوں میں تین طلاق کے ایک ہونے اور حضرت عمر کی جانب تین طلاق کو تین قرار دینے کی نسبت سراسر غلط ہے، ہر عہد میں تین طلاق تین ہی رہی ہے، اور طاؤسؒ سے نقل کردہ یہ روایت، ایک بے بنیاد روایت ہے۔





(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے اس موضوع پر لکھی ہوئی کتابیں ''اعلام مرفوعہ ، ایک مجلس کی تین طلاق ، عمدۃ الاثاث فی الطلقات الثلاث ، طلاق ثلاثہ اور حافظ ابن قیمؒ ، طلاق ثلاث صحیح ماخذ کی روشنی میں۔

غیر مقلّدین نے بخاری و مسلم، ترمذی وابوداؤد وغیرہ کی احادیث چھوڑ دی ہیں

چند مثالیں

نمازِ ظہر گرمی میں ٹھنڈے وقت میں پڑھنے کی احادیث

غیر مقلد حضرات، ہر نماز بالکل اول وقت میں پڑھنے پر زور دیتے ہیں، ہر نماز کے لئے ہر موسم میں ان کی یہی تاکید ہے۔ لیکن صحاحِ ستہ کی احادیث سے ان کی تائید نہیں ہوتی۔ دیکھئے ! بخاری و مسلم اور ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کی روایات کیا کہتی ہیں:

عن أبی هریرة ونافع مولیٰ عبدالله بن عمر عن عبدالله بن عمر انهما حدثاه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انهٔ قال اذا اشتدالحر فابردوا بالصلوٰة فان شدة الحر من فیح جهنم.

حضرت ابوہریرہؓ اور نافعؒ مولیٰ عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب گرمی سخت ہو تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو اس لئے کہ گرمی کی سختی جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

عن أبی ذرّ قال أذّن مؤذن النبی

حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلى الله عليه وسلم الظهر فقال أبرد أبرد أو قَال انتظر انتظر وقال شدة الحر من فيح جهنم فاذااشتد الحر فأبردوا عن الصلوٰة حتى رأينا فئ التلول.

صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن نے ظہر کی اذان دینے کا ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو، ٹھنڈا کرو، یا یوں فرمایا انتظار کرو، انتظار کرو۔ اور فرمایا گرمی کی سختی جہنم کے سانس لینے کی وجہ سے ہے، جب گرمی سخت ہوتو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، (راوی کہتے ہیں) یہاں تک کہ ہم نے ٹیلہ کا سایہ دیکھ لیا (یعنی ظہر کی اذان کے لئے اتنا ٹھہرایا گیا کہ ٹیلہ کا سایہ نظر آنے لگا)

تیسری روایت میں ہے

عن أبى هريرة عن النبى صلى الله عليه وسلم انه قال اذا اشتد الحر فأبردوبالصلوٰة فان شدة الحر من فيح جهنم واِشتكت النار الىٰ ربها فقالت يارب اكل بعضى بعضاً فاذن لها بنفسين نفس فى الشتاء ونفس فى الصيف وهو اشد ماتجدون من الحر واشدّ ماتجدون من الزمهرير.

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب گرمی سخت ہوتو نماز کو ٹھنڈا کرو، اس لئے کہ گرمی کی سختی جہنم کی بھاپ سے ہے، جہنم نے اپنے رب سے شکایت کی اور کہا اے میرے رب! میرے بعض کو بعض نے کھالیا، پس اللہ نے جہنم کو دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک جاڑے میں، ایک گرمی میں، اسی کی وجہ سے تم گرمی کی سختی پاتے ہو اور اسی کی وجہ سے تم جاڑے کی شدت پاتے ہو۔

یہ سب روایتیں بخاری جلد اول ص ۷۷، مسلم جلد اول ص ۲۲۴، ابوداؤد جلد اول

ص ۵۸، ترمذی جلد اول ص ۴۰، نسائی جلد اول ص ۸۷، ابن ماجہ جلد اول ص ۴۹ پر موجود ہیں۔ انہیں روایات کی بنیاد پر احناف گرمی کے موسم میں نمازِ ظہر مؤخر کر کے پڑھتے ہیں۔

امام ترمذیؒ مذکورہ احادیث کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

ومعنیٰ من ذهب الیٰ تاخیر الظهر فی شدة الحر هو أولیٰ وأشبه بالاتباع.
(ترمذی ۱/۴۰)

اُن لوگوں کی بات جو گرمی کی شدت میں تاخیر ظہر کے قائل ہیں، اولیٰ اور اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

لیکن صحاحِ ستہ کی مذکورہ ساری احادیث اور امام ترمذیؒ کے اِس فرمان کے باوجود، ہر ہر مسئلہ میں احناف سے صحاحِ ستہ کا حوالہ مانگنے والے غیر مقلدین، خود اِن حدیثوں کا چھوڑے ہوئے ہیں، اور ظہر کی نماز ہر موسم میں اولِ وقت میں ہی پڑھنے پر عامل ہیں اور اسی پر ان کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔

نمازِ عشاء کے متعلق احادیث

ہر نماز کو اولِ وقت میں پڑھنے پر زور دینے والے بخاری و مسلم وغیرہ کی اِن احادیث کو بھی چھوڑے ہوئے ہیں:

والعشاء اذا كثر الناس عجّل واذا قلّوا أخّر.
(بخاری ۱/۸۰ باب وقت العشاء اذا اجتمعت الناس او تأخروا)

جب لوگ زیادہ ہوتے تو عشاء جلد پڑھاتے اور جب کم ہوتے تو تاخیر کرتے۔

مسلم شریف میں ہے:

والعشاء أحياناً يؤخرها وأحياناً يعجل كان اذا رآهم قد اجتمعوا

نماز عشاء کبھی مؤخر کرتے، کبھی جلد پڑھاتے آپؐ دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلد

عجل واذا راٰهم قدابطأوا اخّر. (ج ا/۲۳۰) پڑھا دیتے، اور دیکھتے کہ لوگ آنے میں ابھی دیر کر رہے ہیں تو تاخیر کرکے پڑھاتے۔

یہ احادیث صحاح ستہ کی دوسری کتابوں میں بھی موجود ہیں، علاوہ ازیں بخاری ومسلم کے انہیں صفحات پر وہ احادیث بھی موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کو تہائی رات بلکہ اس سے زیادہ تاخیر کرکے پڑھنے کو افضل سمجھتے تھے، نیز دیکھئے ترمذی ج ا ص ۴۲، ابوداؤد ج ا ص ۵۸ و ۶۰ وغیرہ۔

نماز فجر میں اِسفار

جو لوگ ہر نماز اول وقت میں پڑھنے پر زور دیتے ہیں اور اسی پر عامل بھی ہیں وہ ترمذی شریف کی اس حدیث کو بھی چھوڑے ہوئے ہیں۔

عن رافع بن خديج قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اسفروا بالفجر فانه أعظم للأجر. (ترمذی ا/۴۰) رافع بن خدیج ؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ نماز فجر اُجالا کرکے پڑھو، یہ اجر کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہے۔

نسائی میں ہے:

ما أسفرتم بالصبح فانه أعظم للأجر. (ج ا/۹۴) جتنا تم نمازِ صبح میں اُجالا کروگے اجر کے اعتبار سے بڑا ہوگا۔

ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے:

أصبوا بالصبح فانه أعظم لأجوركم أوأعظم للأجر. (ابوداؤد ا/۶۱، ابن ماجہ ص ۴) صبح کی نماز میں اُجالا کرو، اس لئے کہ یہ تمہارے اجر وثواب کے لئے بڑا ہے۔

اِن احادیث سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نماز فجر اسفار کر کے یعنی اُجالا کر کے پڑھنا ہے، وقت ہوتے ہی اندھیرے میں ہی نہیں پڑھنا ہے۔ اور یہ چیز اَجر میں اضافہ کا سبب ہے۔ اجر میں اضافہ اس لئے ہوگا کہ جماعت بڑی ہو جائے گی اور اگر اول وقت میں اندھیرے میں پڑھیں گے تو زیادہ لوگ شریک نہ ہو پائیں گے۔ گویا اَجر میں اضافہ کا سبب تکثیر جماعت ہے۔ اور غلَس یعنی اندھیرے میں پڑھنے میں تقلیلِ جماعت ہے۔ جس کا جی چاہے تجربہ کر کے دیکھ لے کہ جو لوگ اسفار میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں یا جو اول وقت میں اندھیرے میں ہی پڑھ لیتے ہیں ان کی جماعت میں زیادہ لوگ شریک ہوتے ہیں۔

احناف کے یہاں اصل تکثیر جماعت ہی ہے، غلَس اور اسفار میں سے جس میں جن دنوں میں تکثیر جماعت ہو، وہی افضل ہے۔ رمضان المبارک میں چونکہ لوگ سحری کے لئے اُٹھے ہوتے ہیں لہٰذا غلَس میں نماز پڑھ لینے میں تکثیر جماعت ہے، اگر اِسفار میں پڑھیں گے تو سحری کھا کر سو جانے والوں کا اسفار میں اُٹھنا مشکل ہو جائے گا، جس سے جماعت چھوٹی ہو جائے گی۔ اور عام دنوں میں غلَس میں اُٹھنا مشکل ہوتا ہے اور اِسفار میں شرکت آسان ہوتی ہے، لہٰذا اِسفار میں تکثیر جماعت ہے۔

چنانچہ عام طور پر احناف کا عمل یہی ہے کہ رمضان المبارک میں نماز فجر غلَس (اندھیرے) میں، اول وقت میں ہی ادا کر لیتے ہیں اور رمضان المبارک کے علاوہ دنوں میں اسفار میں نماز پڑھتے ہیں۔ اِس طرح غلَس اور اِسفار دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل ہو جاتا ہے اور دونوں حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر ہمیشہ اول وقت ہی میں اندھیرے میں نماز پڑھی جائے گی تو اِسفار والی احادیث کو مستقلاً چھوڑنا لازم آئے گا۔ جیسا کہ غیر مقلدین چھوڑے ہوئے ہیں جب کہ یہ

احادیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں آئی ہوئی ہیں۔

خیال رہے کہ تکثیر جماعت کی وجہ سے نماز میں تقدیم وتاخیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ثابت ہے، چنانچہ نماز عشاء کے متعلق احادیث گزریں کہ جب لوگ زیادہ ہوتے تو آپؐ نماز عشاء جلد پڑھادیتے اور کم ہوتے تو تاخیر کر کے پڑھاتے (تاکہ اور لوگ آجائیں اور جماعت بڑی ہوجائے)۔

نمازِ فجر اور نمازِ عصر کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت

نماز فجر اور نماز عصر ادا کر لینے کے بعد نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ نماز فجر کے بعد یہ ممانعت سورج نکلنے تک ہے اور نماز عصر کے بعد سورج ڈوبنے تک ہے۔

ممانعت کی احادیث صحاحِ ستہ میں موجود ہیں۔

ملاحظہ کیجئے الفاظِ حدیث!

(الف) حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت:

یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لاصلوٰۃ بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولاصلوٰۃ بعد العصر حتی تغیب الشمس.	ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپؐ فرما رہے تھے کوئی نماز نہیں ہے نمازِ صبح کے بعد، یہاں تک کہ سورج بلند ہوجائے، اور کوئی نماز نہیں ہے نمازِ عصر کے بعد، یہاں تک کہ سورج غروب ہوجائے۔
(بخاری ج ۱ ص ۸۲ و مسلم ج ۱ ص ۲۷۵)	

(ب) حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت

عن ابی العالیۃ عن ابن عباس قال شهد عندی رجال مرضیون وأرضاهم	ابوالعالیہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ میرے پاس بہت سے پسندیدہ

عندی عمران النبی صلی الله علیه وسلم نهیٰ عن الصلوٰۃ بعد الصبح حتی تشرق الشمس وبعدالعصر حتی تغرب

(حوالۂ مذکورہ)

لوگوں نے گواہی دی اوران میں سب سے زیادہ پسندیدہ میرے نزدیک حضرت عمرؓ ہیں، یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے نمازِ فجر کے بعد نماز پڑھنے سے یہاں تک کہ سورج نکل آئے اور عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

یہ اوراس طرح کی کئی احادیث بخاری ومسلم کے علاوہ ترمذی ج۱ص۴۵، نسائی ج۱ص۹۶ پر بھی موجود ہیں۔

مگراہلِ حدیث حضرات بخاری ومسلم کی حدیثوں کو چھوڑ کرنماز فجر کی سنت، نماز فجر کے فوراً بعدادا کرنے کھڑے ہو جاتے ہیں، اوراپنے معاملے میں بھول جاتے ہیں کہ بخاری ومسلم کی حدیثوں کو مقدم رکھنا چاہئے۔(۱)

عورتوں کومسجد میں لانا

اہلِ حدیث حضرات عورتوں کومسجد میں لانے کے بہت بڑے وکیل ہیں، کتابچوں اورمضامین کے ذریعہ زوردیتے ہیں کہ عورتوں کومسجد میں آنے سے نہیں روکنا چاہئے، گویاان کے نزدیک، مردوں کی طرح عورتوں کے حق میں بھی یہی بہتر ہے کہ وہ مسجد میں آکر نماز ادا کریں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ حالات کی نزاکت کوجانتے ہوئے وہ حضرات خودبھی اپنی عورتوں کا مسجد میں آنا پسند نہیں کرتے، یہی وجہ ہے کہ ان کی عورتیں بھی مسجد میں شاذ ونادر ہی جاتے دکھائی دیں گی۔ مگر تحریر وتقریر میں زوراسی پر ہے کہ مسجد میں عورتوں کوآنا چاہئے۔

---

(۱)اس سلسلے کی مزید تفصیلی گفتگوص ۶۰ پر موجود ہے۔

اس کے برخلاف ابوداؤد کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کا مسجد میں نہ آنا ہی بہتر ہے، کیوں کہ ان کی وہ نماز افضل نہیں ہے جو وہ مسجد میں آکرادا کریں، بلکہ گھر والی نماز افضل ہے اور گھر والی نماز میں بھی کسی کوٹھری، کسی گوشے میں ادا کی ہوئی نماز زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال صلوٰة المرأة في بيتها افضل من صلاتها في حجرتها وصلاتها في مخدعها افضل من صلاتها في بيتها.

(ابوداؤد ۸۴/۱)

عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ عورت کی نماز اس کے شب باشی کے کمرہ میں زیادہ فضیلت رکھتی ہے اس نماز سے جو اس کے حجرے میں ہو اور اس کی نماز اس کے گھر کی کوٹھری میں افضل ہے، اس کے شب باشی کے کمرے سے۔

اس کے علاوہ بخاری ومسلم وابوداؤدوغیرہ کی یہ حدیث بھی دیکھئے

عن عمرة عن عائشة قالت لوادرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ماأحدث النساء لمنعهن المسجد كمامنعت نساء بني اسرائيل فقلت لعمرة اوُمنعن قالت نعم.

(بخاری ۱۲۰/۱، مسلم ۱۸۳/۱، ابوداؤد ۸۴/۱)

عمرہ، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت کرتی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ اگرآج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن باتوں کو دیکھتے جو عورتوں نے پیدا کررکھی ہیں تو عورتوں کو مسجد میں آنے سے روک دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتیں روک دی گئی تھیں۔ (راوی یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں کہ) میں نے عمرہ سے کہا، کیا بنی اسرائیل کی عورتیں مسجد میں آنے سے روک دی گئی

تھیں، عمرہؒ نے جواب دیا، ہاں۔

غور کیجئے! غیر مقلدین، بخاری و مسلم اور ابوداؤد وغیرہ کی مذکورہ احادیث کے تارک ہوئے یا نہیں؟

تکبیر تحریمہ میں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا

تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے کی حدیث مسلم شریف اور ابوداؤد شریف میں موجود ہے، مگر اہلِ حدیث حضرات اُسے مستقلاً چھوڑے ہوئے ہیں۔ دیکھئے حدیث کے الفاظ:

عن مالک بن الحویرث ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان اذا کبر رفع یدیه حتی یحاذی بهما اذنیه. (مسلم ج ۱/۱۶۸)	مالک بن الحویرثؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ اکبر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ دونوں کو اپنے دونوں کانوں کے بالمقابل لے آتے۔

دوسری روایت میں ہے:

حتی یحاذی بهما فروع اذنیه (حوالۂ مذکورہ)	یہاں تک کہ دونوں کو اپنے دونوں کانوں کی لوؤں کے بالمقابل لے آتے۔

یہی روایت نسائی جلد اول ص ۱۶۱ پر بھی موجود ہے۔

وائل بن حجرؓ کی روایت میں ہے:

انه ابصر النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قام الصلوٰة رفع یدیه حتیٰ کانتا بحیال منکبیه وحاذیٰ بابهامیه اذنیه ثم	انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپؐ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ

كبّر.

(ابوداؤد ج ا ص ۱۰۵، نسائی ج ا/۱۶۱)

دونوں آپؐ کے کندھے کے بالمقابل آگئے اور دونوں انگوٹھوں کو اپنے دونوں کانوں کے برابر کر دیا پھر اللہ اکبر کہا،

وائل بن حجرؓ کی ہی دوسری روایت میں ہے:

قلت لانظرنّ الیٰ صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف يصلى قال فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فاستقبل القبلة فكبّر فرفع يديه حتى حاذتااذنيه الخ

(حوالہٴ مذکورہ)

میں نے (اپنے دل میں کہا) کہ آج ضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز دیکھوں گا کہ آپؐ کیسے پڑھتے ہیں؟ وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے رخ قبلہ کی طرف کیا اور اللّٰہ أکبر کہا، پس اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ وہ آپ کے دونوں کانوں کے بالمقابل آگئے۔

ایک اور روایت میں ہے:

عن وائل بن حجر قال رأيت النبى صلى الله عليه وسلم حين افتتح الصلوٰة رفع يديه حيال اذنيه قال ثم اتيتهم فرأيتهم يرفعون ايديهم الیٰ صدورهم فى افتتاح الصلوٰة و عليهم برانس واكسية.

(حوالہٴ مذکورہ)

وائل بن حجرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز شروع کرتے وقت دیکھا کہ آپؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں تک اُٹھائے پھر (کچھ دن بعد) میں صحابہ کرامؓ کے پاس آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ نماز کے شروع میں اپنے ہاتھوں کو اپنے سینوں تک اٹھاتے ہیں۔ اس حال میں کہ

ان پر گرم کپڑے اور چادریں تھیں۔

مذکورہ بالا ساری احادیث سے یہی پتہ چلتا ہے کہ تکبیرِ تحریمہ کہتے وقت عام حالات میں دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں تک اٹھانا چاہئے۔ البتہ (سردی وغیرہ کے موسم میں) جب ہاتھ چادر وغیرہ میں لپٹے ہوں تو کندھوں تک اٹھانے کی گنجائش ہے۔

اہلِ حدیث حضرات نے دونوں ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانے والی احادیث کو چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ احادیث مسلم وابوداؤد، نسائی وغیرہ میں موجود ہیں۔

صرف تکبیرِ تحریمہ میں رفع یدین

''رفع یدین'' کا معنیٰ ہے ''دونوں ہاتھوں کا اٹھانا'' ابوداؤد، ترمذی اور نسائی وغیرہ کی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ رفع یدین صرف تکبیر تحریمہ کے وقت ہے، دوسرے اوقات میں نہیں ہے۔ مثلاً رکوع میں جاتے وقت رفع یدین ہے، نہ رکوع سے اٹھتے وقت، نہ تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت۔ گویا پوری نماز میں رفع یدین صرف ایک بار کرنا ہے، اور وہ اُس وقت جب نماز کے لئے نیت باندھے اور تکبیر تحریمہ کہے۔

اب وہ احادیث ملاحظہ کیجئے جنھیں غیر مقلدین نے چھوڑ رکھا ہے، جب کہ وہ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی وغیرہ کی ہیں۔

عن علقمة قال قال عبدالله بن مسعود الا أصلی بکم صلوٰة رسول الله صلی الله علیه وسلم فصلی فلم یرفع یدیه الافی اول مرة.

(ترمذی ج۱/۹۵)

علقمہؒ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کیا میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس نماز پڑھی تو اس میں صرف پہلی مرتبہ ہی اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا۔

یہی حدیث نسائی شریف میں اِن الفاظ میں آئی ہے۔

عن علقمة عن عبدالله قال الااخبركم بصلوٰة رسول الله ﷺ قال فقام فرفع يديه اول مرة ثم لم يعد. (ج۱/۱۵۸)

علقمہؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ''کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں خبر نہ دوں؟ علقمہؒ کہتے ہیں کہ پھر عبداللہ بن مسعودؓ کھڑے ہوئے اور نماز میں صرف پہلی مرتبہ ہی رفعِ یدین کیا، دوبارہ نہیں کیا۔

ابوداؤد کے الفاظ یہ ہیں:

فلم يرفع يديه الامرة (ج ۱/ ۱۰۹)

پس نہیں اُٹھایا اپنے دونوں ہاتھوں کو مگر ایک مرتبہ۔

بعض روایات میں مرة واحدة کے الفاظ آئے ہیں۔ (حوالۂ مذکورہ)

براء بن عازبؓ کی روایت ابوداؤد شریف میں یوں منقول ہے:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذاافتتح الصلوٰة رفع يديه الىٰ قريب من اذنيه ثم لايعود.

(ج ۱/۱۰۹باب من لم یذکر الرفع عندالرکوع)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں کانوں کے قریب تک اٹھاتے، پھر دوبارہ نہیں اٹھاتے تھے۔

صرف سورۂ فاتحہ پڑھنا ہی فرض کیوں؟

اہلِ حدیث علماء امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہتے ہیں اور اس پر اس قدر شدومد کرتے ہیں کہ جو مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز کو نماز ہی نہیں مانتے۔ حالانکہ جن احادیث کی بنیاد پر یہ حضرات، مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا لازم کرتے

ہیں۔ وہی احادیث بتاتی ہیں کہ صرف سورۂ فاتحہ ہی نہیں، سورۂ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورہ یا چند آیات کا پڑھنا بھی مقتدی پر لازم ہونا چاہئے۔

وہ احادیث یہ ہیں:

عن عبادة بن الصامت ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاصلوٰة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب (بخاری ۱/۱۰۴)

عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس شخص کی نماز ہی نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

امام بخاری اس حدیث کو اِس عنوان کے تحت لائے ہیں:

باب وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوات کلها فی الحضر والسفر ومايجهر فيها ومايخافت.

امام اور مقتدی دونوں کے لئے قرأت کے وجوب کا بیان، ساری نمازوں میں، سفر میں، حضر میں، جہری نمازوں میں بھی اور سرّی نمازوں میں بھی

عبادہ بن صامتؓ کی مذکورہ حدیث کے بعد امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی وہ حدیث نقل کی ہے جو خلاد بن رافعؓ کی نماز کے واقعہ سے متعلق ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاد بن رافعؓ سے فرمایا تھا:

اذاقمت الیٰ الصلوٰة فکبّر ثم اقرأ ماتیسّر معک من القرآن.

جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو أللّٰہ أکبر کہو، پھر پڑھو جو تم اپنے یاد کردہ قرآن سے آسانی سے پڑھ سکو۔

گویا امام بخاریؒ کے نزدیک امام اور مقتدی کو سورۂ فاتحہ بھی پڑھنی ہے اور اس کے علاوہ بھی قرآن سے جو آسان ہو اور بسہولت پڑھ سکے پڑھے۔

کیوں کہ امام بخاریؒ نے عنوان لفظ ''قرأة'' استعمال کیا ہے، نہ کہ قرأت سورہ

فاتحہ اور ''قراۃ'' کا لفظ سورۂ فاتحہ اور غیر سورۂ فاتحہ سب پر بولا جاتا ہے۔ گویا مطلق قرأتِ قرآن کو ''قراۃ'' کہا جائے گا۔(۱)

نتیجہ یہ ہوگا کہ سورۂ فاتحہ اور سورۂ فاتحہ کے علاوہ مزید کوئی سورت یا آیات کا پڑھنا یکساں حیثیت رکھے گا۔ جب ایک (سورۂ فاتحہ) کو فرض کہا تو تو دوسرا (مزید کوئی سورہ یا آیات) بھی فرض رہے گا۔

چنانچہ یہ بات حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہی مسلم شریف والی روایت میں موجود ہے۔اس کے الفاظ ہیں:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بأم القرآن فصاعداً (مسلم ج۱/۱۶۹) اس کی نماز نہیں، جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھا۔

یہ بات صحاح ستہ کی دیگر کتب میں بھی ہے اور مختلف صحابۂ کرامؓ سے مروی ہے، چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت ابوسعید خدریؓ کے الفاظ یوں ہیں:

اُمِرْنَا أن نقرأ بفاتحة الكتاب وماتيسر (ج۱/۱۱۸) ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو۔

حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم أخرج فناد فی المدینة انه لاصلوٰۃ الا بقرآن ولو بفاتحة مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا نکلو، پس مدینہ میں پکار آؤ کوئی نماز نہیں مگر قرآن پڑھنے سے اگرچہ وہ سورۂ

---

(۱) یہاں امام بخاریؒ کے ترجمۃ الباب کی وضاحت مقصود ہے، ورنہ دوسری حدیث جو خلاد بن رافعؓ سے متعلق ہے اس کا مطلب ہمارے نزدیک بالکل صاف، اس نے فیصلہ کردیا ہے کہ نماز میں خاص سورۂ فاتحہ ہی پڑھنا فرض نہیں ہے بلکہ مطلق قراۃِ قرآن فرض ہے جو بھی آسانی سے پڑھا جاسکے، خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی سورۂ یا آیت، پہلی والی حدیث سے استدلال صحیح نہیں کیوں کہ وہاں صیغۂ امر نہیں ہے اور یہاں صیغۂ امر ہے جو کہ وجوب کے لئے آتا ہے۔

الکتاب فمازاد. (حوالۂ مذکورہ) فاتحہ ہو یا اس سے زائد۔(۱)

دوسری روایت میں ہے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان انادی انہ لاصلوٰۃ الابقرأۃ فاتحۃ الکتاب فمازاد. مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں پکار آؤں کہ کوئی نماز نہیں مگر سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد پڑھنے سے۔

(حوالۂ مذکورہ)

ترمذی شریف کی روایت جو ابوسعید خدریؓ سے ہے، اس کے الفاظ ہیں:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بألحمدو سورۃ فی فریضۃ اوغیرھا. (ج۱/۵۵) اس کی نماز نہیں، جس نے سورۂ ألحمدُ اور سورت نہیں پڑھی فرض یا غیر فرض میں۔

یہی روایت ابن ماجہ میں ان الفاظ میں ہے:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ ألحَمْدُ وسورۃ فی فریضۃ وغیرھا (ص۶۱) اس کی نماز نہیں جس نے ہر رکعت میں ألحمدُ اور کوئی سورت نہیں پڑھی، فرض یا غیر فرض میں۔

نسائی کی روایت عبادۃ بن صامتؓ سے اِن الفاظ میں ہے:

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً. (۱/۱۴۵) اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ اور اس سے زائد نہیں پڑھا۔

صحاحِ ستہ کی یہ ساری احادیث بتاتی ہیں کہ سورۂ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھنا سب کی حیثیت یکساں ہے۔ لہٰذا اگر مذکورہ بالا احادیث کی وجہ سے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض کہا جائے تو کوئی سورہ ملانا یا آیت وغیرہ ملانا بھی فرض کہنا چاہئے۔

---

(۱) اس حدیث سے بھی مطلق قرأتِ قرآن کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیوں کہ خاص سورۂ فاتحہ کو لازم نہیں کیا گیا بلکہ قرآن پڑھنا لازم کیا گیا ہے۔

لیکن غیر مقلدین کا حال یہ ہے کہ وہ مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا تو فرض کہتے ہیں، لیکن کوئی اور سورہ یا آیت ملانا فرض نہیں کہتے۔ بلکہ مقتدی سے کہتے ہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموشی سے امام کی قرأت سنے۔

''صلوٰۃ الرسول'' کے غیر مقلد مصنف لکھتے ہیں:

''یعنی سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو اور پھر خاموشی سے قرأت سنا کرو۔'' (ص۲۰۲)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ

۱- کیا سورۂ فاتحہ قرأت، یعنی قرأتِ قرآن (قرآن کا پڑھنا) نہیں ہے؟ اگر ہے، اور یقیناً ہے تو سورۂ فاتحہ بھی مقتدی کو خاموشی سے سننی چاہئے اور خود نہیں پڑھنا چاہئے، جس طرح سورۂ فاتحہ کے بعد والی قرأت کو غیر مقلدین کے نزدیک بھی صرف سننا ہے، پڑھنا نہیں ہے۔

یہی بات، قرآن کریم سے ثابت ہوتی ہے کہ جب قرأتِ قرآن ہو (خواہ وہ سورۂ فاتحہ ہو یا کوئی سورت یا آیت، نماز کے اندر ہو یا نماز کے باہر) تو اُسے غور سے سنا جائے اور خاموش رہا جائے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَأَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اعراف/۲۰۴)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُسے غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

الحمدللہ! احناف کا اسی پر عمل ہے۔

۲- صحاحِ ستہ کی مذکورہ بالا احادیث نے ثابت کر دیا کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورہ یا آیت ملائے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا مقتدی کے ذمہ دونوں کا پڑھنا فرض ہونا چاہئے، لیکن غیر مقلدین صرف سورۂ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے ذمہ فرض کہتے ہیں۔

بتایئے! یہ صحاحِ ستہ کی مذکورہ بالا احادیث کو چھوڑنا ہوا یا نہیں؟!

۳- احادیثِ مذکورہ سے جب ثابت ہوگیا کہ سورۂ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی اور سورہ یا آیت ملائے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ تو اگر سورہ یا آیت کا ملانا مقتدی پر فرض نہ ہو بلکہ خاموش رہ کر سننا ہو تو گویا امام کے سورہ یا آیت پڑھ لینے کو مقتدی کا پڑھنا مان لیا گیا، کیوں کہ اگر نہ مانا جائے تو مقتدی کی نماز کیسے ہوگی؟ جب کہ اس نے سورہ یا آیت نہیں پڑھی صرف خاموش رہا۔

دوسری طرف قرآتِ قرآن کو چھوڑ کر کوئی ایسی چیز نہیں جس کو امام اور مقتدی دونوں نہ پڑھتے ہوں اور امام کا پڑھنا مقتدی کی طرف سے بھی ہوجائے، وہ صرف خاموش رہے۔

تکبیر تحریمہ، امام اور مقتدی دونوں کہتے ہیں، ثنا رکوع اور سجود کی تسبیحات، قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اُخیرہ کی دعائیں دونوں پڑھتے ہیں۔ لے دے کے ایک قرآن پڑھنے کا معاملہ ہے۔ اسی کے بارے میں سورۂ اعراف کی آیت ۲۰۴ اور احادیثِ نبویہ کہتی ہیں کہ جب قرآن پڑھا جائے تو خاموشی سے سنا جائے، خود بھی نہ پڑھنے لگا جائے، یعنی منازعت اور ٹکراؤ کی صورت نہ ہو۔

اگر امام کے ساتھ مقتدی بھی پڑھے گا، خواہ سورہ فاتحہ ہو یا اور کوئی سورت، تو منازعت اور ٹکراؤ کی کیفیت صاف ظاہر ہے، جو خود پڑھے گا، وہ دوسرے کا سن نہیں سکتا۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ دونوں پڑھیں، سورہ فاتحہ کے بعد والی سورت صرف امام پڑھے، مقتدی سنے، ہم کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ ہو یا بعد کی سورت، دونوں صرف امام پڑھے، مقتدی دونوں کو خاموشی سے سنے۔

غیر مقلدین کہتے ہیں کہ سورہ فاتحہ چونکہ سب سے افضل اور سب سے اہم سورت

ہے، اس لئے امام اور مقتدی دونوں کو پڑھنا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب سورۂ فاتحہ کے بعد والی غیر افضل سورت کو خاموشی سے دھیان لگا کر سننا ہے تو افضل اور اعلیٰ سورت کو بدرجۂ اولیٰ خاموشی کے ساتھ دھیان لگا کر سننا ضروری ہوگا۔ یہ تو الٹی بات لگتی ہے کہ غیر افضل سورت کو خاموشی کے ساتھ توجہ لگا کر سننے کا حکم ہو اور افضل سورت کو خاموشی کے ساتھ سننے کا حکم نہ ہو بلکہ خود بھی پڑھ کر اس کے ساتھ منازعت اور ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کی جائے۔

جب کہ صحاحِ ستہ کی مذکورہ احادیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ سورۂ فاتحہ ہو یا بعد والی سورت، نماز کے معاملے میں دونوں کی حیثیت یکساں ہے۔ امام تو خیر پڑھتا ہی ہے، اگر مقتدی سے بھی پڑھوانی ہیں تو دونوں پڑھوانی چاہئیں۔ اور خاموشی سے سنوانا ہے تو دونوں کو خاموشی سے سنوانا چاہئے۔

چنانچہ احناف امام سے دونوں پڑھواتے ہیں اور مقتدی سے دونوں سنواتے ہیں۔ اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا امام ہو تو دونوں کا پڑھنا واجب کہتے ہیں۔ یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنا بھی واجب اور اس کے ساتھ ساتھ سورہ ملانا بھی واجب، کیوں کہ احادیثِ مذکورہ نے دونوں کو برابر کی حیثیت دی ہے۔

غور کیجئے! صحاحِ ستہ کی احادیث پر عمل کرنے والا کون ہوا؟، اور چھوڑنے والا کون؟

مقتدی نہ سورۂ فاتحہ پڑھے نہ کوئی اور سورت

صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے کہ قرأتِ قرآن، مقتدی کے ذمہ نہیں۔

دیکھئے! یہ حدیث، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ اور نسائی چاروں میں موجود ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله   حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ

صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیوتم به فاذا کبّر تکبّروا واذا قرأ فانصتوا واذاقال غیرالمغضوب علیهم ولاالضالّین فقولوا آمین۔

(مسلم ۱/۱۷۴، ابوداوٗد ۱/۸۹، نسائی ۱/۱۴۶، ابن ماجہ ص ۶۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا امام اسی لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، جب وہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر نیت باندھے، تو تم لوگ بھی اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر نیت باندھ لو۔ اور جب وہ قرأت شروع کرے تم لوگ چپ رہو۔ اور جب وہ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن کہے تو تم لوگ آمین کہو۔

اسی طرح یہ حدیث بھی دیکھئے:

عن عمران بن حصین ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلی الظّهر فجعل رجل یقرأ خلفه سبح اسم ربک الاعلیٰ فلما انصرف قال أیکم قرأ أو أیکم القاری قال رجل أنافقال قد ظننت ان بعضکم خالجنیها.

(مسلم ۱/۱۷۲، ابوداوٗد ۱/۱۲۰، نسائی ۱/۱۴۶)

عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، پس ایک آدمی حضورؐ کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلیٰ پڑھنے لگا۔ سلام پھیرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کس نے پڑھا تھا؟ اس آدمی نے جواب دیا میں نے، آپؐ نے فرمایا میں نے بھی گمان کیا کہ تم میں کا کوئی اس کو مجھ سے چھین رہا ہے۔

صحاحِ ستّہ میں اس قسم کی احادیث بہت سی ہیں، ہم نے نمونۃً دو کا ذکر کیا ہے، مزید دو حوالے اور لے لیجئے اور اچھی طرح ذہن نشیں کر لیجئے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت نہیں کرنی ہے، خواہ وہ سورۂ فاتحہ کی ہو، یا کسی اور سورت کی۔

عن عطاء بن يسار أنه أخبره أنه سال زيدبن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لاقراءة مع الامام في شئ. (مسلم ۱/۲۱۵)

عطاء بن یسارؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ سے امام کے ساتھ قرأت کرنے کے متعلق سوال کیا، تو زید بن ثابتؓ نے جواب دیا، امام کے ساتھ کسی چیز میں قرأت نہیں۔

دوسری روایت میں ہے:

عن ابی نعيم وهب بن كيسان انه سمع جابر بن عبدالله يقول من صلى ركعة لم يقرأ فيها بأم القرآن فلم يصل الأأن يكون وراء الامام.

(ترمذی ۱/۷۱)

ابونعیم وہب بن کیسانؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے نماز پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی تو گویا اس نے نماز ہی نہیں پڑھی۔ اِلّا یہ کہ امام کے پیچھے ہو۔

دیکھئے! یہ سارے حوالے صحاح ستّہ کے ہیں یا نہیں، الحمدللہ ہم حوالے بہت دے سکتے ہیں اور بہت احادیث کی کتب سے دے سکتے ہیں، مگر صحاح ستّہ کے چند ہی حوالوں پر اکتفاء کرر ہے ہیں تا کہ صحاحِ ستّہ کا حوالہ مانگنے والے خود دیکھ سکیں کہ وہ صحاحِ ستّہ کی احادیث پر کس قدر عمل کرر ہے ہیں؟۔

آمین آہستہ کہنے کی حدیث

عن علقمة بن وائل عن أبيه أن النبى صلی اللہ علیہ وسلم قرأ غير المَغضوبِ علَيهم وَ لاالضّالّين فقال اٰمين وخفض بها

علقمہ بن وائلؒ اپنے والد حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ

صوتہٗ (۱) وَلَاالضَّـالِّیْنَ پس کہا آمین اور آمین کی آواز کو پست کیا۔ (ترمذی ۱/۵۸)

اہلِ حدیث حضرات، صحاح ستّہ کی ایک اہم کتاب ترمذی شریف کی یہ حدیث بھی چھوڑے ہوئے ہیں اور ہمیشہ صرف زور سے ہی آمین کہتے ہیں۔

اذان کے کلمات

اذان کے کلمات ۱۵ ہیں۔ اذان میں ترجیع نہیں ہے، ترجیع نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ أشهد أن لااله الّاالـلّٰه اور أشهدُأنّ محمداً رّسولُ اللّٰه کو پہلے دھیمی آواز سے کہہ کر بلند آواز سے دہرانا نہیں ہے بلکہ صرف بلند آواز سے ہی کہنا ہے۔

ترجیع کی صورت میں اذان کے کلمات ۱۹ ہو جاتے ہیں جب کہ اذان کے ۱۵ کلمات بلا ترجیع درج ذیل احادیث سے ثابت ہیں:

عبداللہ بن زید بن عبدربہ کہتے ہیں کہ جس دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز کے لئے پکارنے کی کسی تدبیر پر غور کر رہے تھے، میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو سبز رنگ کے دو کپڑوں میں ملبوس تھا ایک ناقوس لئے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا اے اللہ کے بندے! اِسے فروخت کرو گے؟ اس نے کہا ''تم کیا کرو گے؟'' میں نے جواب دیا ''اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلاؤں گا۔'' اس نے کہا ''کیا میں تم کو اس سے زیادہ بہتر بات نہ بتاؤں؟'' میں نے جواب دیا ''بتایئے! اس نے کہا تم نماز کے وقت یوں کہا کرو:

أَللّٰهُ أَكْبَر أَللّٰهُ أَكْبَر أَللّٰهُ أَكْبَر أَللّٰهُ أَكْبَر

---

(۱) اس حدیث کے تعلق سے امام شعبہؒ اور سفیانؒ کے مابین محاکمہ کے لئے ملاحظہ ہو التعليق الحسن على آثار السنن ج ۱/۲، ۹۶ و كشف المعضلات ص ۲۷ و معارف مدنیہ ج ۵/۳۱ وغیرہ۔

أَشْهَدُ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ　　أَشْهَدُ أَنْ لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰهُ

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه　　أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰه

حَيَّ عَلَى الصَّلوٰة　　حَيَّ عَلَى الصَّلوٰة

حَيَّ عَلَى الفَلَاح　　حَيَّ عَلَى الفَلَاح

أَللّٰهُ أَكْبَر　　أَللّٰهُ أَكْبَر

لَاإِلٰهَ إِلَّااللّٰه

عبداللہ بن زیدؓ نے یہ خواب صبح آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ نے فرمایا کہ انشاءاللہ یہ خواب سچ اور حق ہے۔ پھر آپ نے فرمایا:

فاخرج مع بلال الیٰ المسجد فالقها علیه ولیناد بلال فانه أندی صوتاً منک قال فخرجت مع بلال الیٰ المسجد فجعلت القیها علیه وهو ینادی بها قال فسمع عمر بن الخطاب بالصوت فخرج فقال یارسول الله والله لقد رأیت مثل الذی رای.	بلالؓ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلو اور انھیں یہ کلمات بتاؤ تا کہ وہ پکاریں، اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز والے ہیں۔ عبداللہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ چنانچہ میں بلال کو لے کر مسجد گیا انھیں اذان کے کلمات بتاتا جاتا تھا اور وہ کہتے جاتے تھے، راوی کہتے ہیں کہ اذان کی یہ آواز حضرت عمرؓ نے سنی وہ نکل کر آئے اور کہا اے اللہ کے رسولؐ! میں نے بھی اسی کے مثل (خواب) دیکھا ہے۔
(ابن ماجہ ص ۵۱، ابوداؤد ج ۱/۱۷)	

یہی حدیث اذان کی اصل ہے، اذان کا آغاز عبداللہ بن زیدؓ کے خواب کے اسی واقعہ سے ہوا ہے اور انھوں نے سب سے پہلے اذان حضرت بلالؓ کو سکھائی اور حضرت بلال، عہد نبوی کے خاص مؤذن ہو گئے۔

دیکھ لیجئے !اس اذان میں کہیں ترجیع نہیں ،اذان کے صرف ۱۵ کلمات کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ مسلم ج ۱/ ۱۶۷ پر حضرت عمرؓ کی روایت جس میں اذان کے جواب کا ذکر ہے اس میں بھی ترجیع نہیں ہے۔

اہل حدیث علماء چونکہ اذان میں ترجیع کے قائل ہیں اوراذان کے کلمات ۱۹ بتاتے ہیں لہٰذا وہ ابن ماجہ، ابوداؤداور مسلم کی مذکورہ ساری احادیث کے تارک ہوئے۔

اقامت کے کلمات

اقامت کے کلمات وہی ہیں جواذان کے کلمات ہیں،صرف قَدْقَامَتِ الصّلوٰۃ کا دوبار کا اضافہ ہے،اس طرح اقامت کے کل کلمات سترہ ہوجاتے ہیں۔

ترمذی شریف میں ہے:

عن عبدالله بن زيدقال كان اذان رسول الله صلى الله عليه وسلم شفعاشفعا فى الاذان والاقامة	عبداللہ بن زیدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان اوراقامت دونوں کے کلمات دودوبار تھے۔

(ج۱/۴۸)

ترمذی کے اسی صفحہ پرابومحذورہؓ کی روایت میں بھی اقامت کے سترہ کلمات کا ذکر ہے۔

اہلحدیث علماء کاچونکہ اس حدیث پر بھی عمل نہیں ہے اس لئے وہ اس کے تارک قرار پائیں گے کیوں کہ وہ قدقامتِ الصلوٰۃ کے علاوہ سارے کلمات اکہرے کہتے ہیں۔

جلسۂ استراحت نہیں

پہلی یا تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد دوسری یاچوتھی

رکعت کے لئے سیدھے کھڑے ہوجانا چاہئے، جلسۂ استراحت نہیں کرنا چاہئے، یعنی ایسا نہ ہو کہ سیدھے کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ جائے، پھر کھڑا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ آپ سیدھے کھڑے ہوجایا کرتے تھے، ترمذی شریف کی روایت ہے:

عن أبی هريرة قال كان النبی صلی الله عليه وسلم ينهض فی الصلوٰة علیٰ صدور قدميه. (ج۱/۶۴)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے قدموں کے کناروں پر کھڑے ہوجاتے تھے۔

اہلِ حدیث حضرات اس حدیث کو چھوڑے ہوئے ہیں، ان کی کوئی نماز بغیر جلسۂ استراحت نہیں۔(۱)

تشہد میں انگلی کو برابر حرکت دینا

تشہد میں انگلی سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ یعنی انگلی اٹھا کر پھر گرالی جاتی ہے۔ یہی طریقہ حدیث سے ثابت ہے، اہلِ حدیث حضرات اشارہ والی انگلی کو برابر ہلاتے رہتے ہیں، ابوداؤد شریف کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انگلی کو اٹھا کر گرالینا چاہئے، حرکت دیتے نہیں رہنا چاہئے۔

عبداللہ بن زبیرؓ سے مروی ہے کہ:

أن النبی صلی الله عليه وسلم كان يشير بأصبعه اذادعا ولايحركها.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی سے اشارہ کرتے جب دعاءِ تشہد پڑھتے،

(۱) جلسۂ استراحت نہ کرنے کے سلسلے میں مسند احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، مجمع الزوائد، طحاوی شریف وغیرہ میں بہت سی روایتیں موجود ہیں، مگر یہاں ہم نے چونکہ گفتگو کا دائرہ صحاح ستہ تک محدود رکھا ہے اس لئے صرف ترمذی کا حوالہ دیا ہے۔

اور انگلی کو حرکت نہیں دیتے تھے۔ (ابوداؤد ۱/۱۴۲)

غیر مقلدین، ابوداؤد شریف کی اس حدیث کو چھوڑے ہوئے ہیں۔

اونٹ کی قربانی میں دس حصے؟

اہلِ حدیث علماء کا فتویٰ ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمی شریک ہو سکتے ہیں (فتاویٰ ثنائیہ ۱/۸۰۸) یہ فتویٰ صحاحِ ستہ کی درج ذیل احادیث کے خلاف ہے:

عن جابر بن عبدالله أن النبی صلی الله علیه وسلم قال البقرة عن سبعة والجزور عن سبعة.

(ابوداؤد ۲/۳۸۸ کتاب الضحایا)

جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گائے سات کی طرف سے ہے۔ اور اونٹ بھی سات کی طرف سے ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

نحرنا مع رسول الله صلی الله علیه وسلم بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة.

(ابوداؤد ۲/۳۸۸ کتاب الضحایا)

ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قربانی کی، اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے۔

یہ حدیث ترمذی جلد اول ص ۲۷۶ پر بھی موجود ہے ـــــ یہاں بھی غیر مقلدین نے صحاحِ ستہ کی احادیث کو ترک کر رکھا ہے۔

مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے

بخاری شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد ثانی ص ۹۲۶ میں امام بخاریؒ نے پہلے باب المصافحہ قائم کیا، اس کے

بعد دوسرا باب یوں درج کیا ہے:

باب الأخذ باليدين وصافح حمادبن زيد ابن المبارک بيديه.

(مصافحہ میں) دونوں ہاتھ پکڑنے کا بیان، اور یہ کہ حماد بن زیدؒ نے عبداللہ بن مبارکؒ سے اپنے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔

اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے:

علّمني النبي صلى الله عليه وسلم وكفي بين كفيه التشهد كما يعلمني السورة من القرآن التحيات للّٰه الخ

سکھایا مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد جیسا کہ سکھاتے مجھ کو قرآن کی سورت، اور اس وقت میری ہتھیلی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان تھی۔ التحیات للہ الخ۔

یہ تو ہوا امام بخاریؒ کا طرز عمل اور بخاری کی روایت، دوسری طرف اہلِ حدیث علماء صرف ایک ہاتھ سے ہی مصافحہ کرتے ہیں۔

تین طلاق اور حلالہ

اہلحدیث علماء ایک وقت کی تین طلاق کو ایک طلاق مانتے ہیں، اسی کا فتویٰ دیتے ہیں، ائمہ اربعہ کا کوئی مقلد بھی اگر اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے اور مذاہبِ اربعہ میں گنجائش نہ پاکر اپنی مقصد برآری کے لئے اہلِ حدیث علماء سے پوچھ لے تو جھٹ ایک طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیدیتے ہیں، جب کہ جانتے ہیں کہ یہ شخص طلاق دینے سے قبل اور طلاق دیتے وقت بھی مسلکِ اہلِ حدیث کو حق اور صحیح نہیں سمجھتا تھا، اب مجبوراً ان کی طرف رجوع ہو رہا ہے۔

لیکن اہلِ حدیث علماء اس غلط اور غیر شرعی طریقہ کو اپنے مسلک کی ترقی اور اپنی

جماعت میں اضافہ سمجھ کر غیر شرعی طریقہ سے غلط فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔

حالانکہ ایک مجلس کی تین طلاق کا تین ہونا، بخاری شریف سے بھی ثابت ہے اور یہ حضرات بخاری، بخاری کا نام رٹنے کے باوجود بخاری شریف کو پسِ پشت ڈالے ہوئے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے! بخاری شریف جلد ثانی ص ۷۹۱ کی یہ حدیث، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ، (۱) وہ بیوی شوہر اول سے نکاح نہیں کر سکتی۔

عن عائشة ان رجلاً طلق امرأته ثلاثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للأول قال لاحتی یذوق عسیلتها کماذاق الأول.

(باب من اجاز طلاق الثلاث)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنے بیوی کو تین طلاق دیدی۔ پھر اس عورت نے دوسرے شخص سے شادی کی، پس اس نے بھی طلاق دیدی، اس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا وہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہوگئی؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ تاوقتیکہ دوسرا شوہر اس کی صحبت سے لطف اندوز نہ ہوجائے جیسے پہلا لطف اندوز ہوا تھا۔

اس مضمون کی حدیث مسلم شریف جلد اول ص ۴۶۳ پر بھی موجود ہے۔

---

(۱) حلالہ کا مطلب یہ ہے کہ تین طلاق کے بعد عورت عدت گزارے اس کے بعد عورت کا کسی دوسرے شخص سے نکاح ہو، پھر اگر وہ بھی طلاق دیدے اور اس کی بھی عدت گزر جائے تو اب اس عورت کا نکاح، شوہر اول سے ہوسکتا ہے۔ آیتِ کریمہ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهٗ۔ اور مذکورہ بالا حدیث میں یہی بات کہی گئی ہے۔

یہ روشن حقائق

حنفی کتبِ فقہ کے حوالے

غیر مقلد علماء، کتبِ فقہیہ ہدایہ، فتح القدیر، عالمگیری وغیرہ میں برابر کیڑے نکالتے رہتے ہیں۔ ان کتابوں کو مطعون کرنا، ان کی عیب جوئی کرنا، غیر مقلد علماء کا عام وطیرہ ہے۔ مگر دوسری طرف ان کتابوں کے بغیر کام بھی نہیں چلتا۔ چنانچہ ان کے مدارس میں قدوری، شرح وقایہ، ہدایہ وغیرہ عام طور پر نصاب میں داخل ہیں، اور ان کے علماء کو جب مسئلہ بتانا ہوتا ہے تو شامی، عالمگیری، درِّ مختار اٹھانی پڑتی ہیں۔

چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ اور فتاویٰ نذیریہ وغیرہ دیکھ لیجئے، ان کے بہت سے فتاویٰ میں درمختار، ردالمحتار (شامی)، البحرالرائق، ہدایہ، عالمگیری، طحطاوی، مجمع البحار، عنایہ، فتح القدیر، مجالس الابرار، المستملی وغیرہ کے حوالجات مل جائیں گے۔

مثال کے طور پر رویتِ ہلال کے مسئلہ میں دیکھئے فتاویٰ ثنائیہ جلد ا ص ۲۶۷، حقہ نوشی کے تحت دیکھئے جلد ثانی ص ۷۹، سود کے مسئلہ کے تحت دیکھئے جلد ثانی ص ۳۶۱، ۳۶۲۔ حبلیٰ من الزناء کے مسئلہ کے تحت دیکھئے جلد ثانی ص ۱۷۶ وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح سدل کی کیفیت کے بیان میں عنایہ کا حوالہ تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۲۹۵ میں

یہ تو چند سرسری حوالے تھے ورنہ جو غیر مقلد علماء کی مذکورہ کتب کا بغور مطالعہ کرے گا وہ احناف کی کتبِ فقہ وفتاویٰ کے بے شمار حوالے پائے گا۔

قیاس اور اجماع کا اقرار

غیر مقلد علماء، قیاس و اجماع کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ یہ حضرات قیاس کی بے وقعتی ظاہر کرنے کے لئے روافض کا یہ جملہ بڑی اہمیت اور فخر کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ اوّلُ مَنْ قاسَ اِبلیس (سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس تھا)(۱)

گویا قیاس ابلیسی طریقہ ہے، شیطانی عمل ہے۔ اسی بنیاد پر احناف کو موردِ الزام ٹھہرانا بھی اُن کا پرانا وطیرہ ہے۔

دوسری طرف وہ یہ جانتے ہیں کہ قیاس کی شرعی قدر و قیمت اور اہمیت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اور احناف پر الزام تراشی محض عناداً ہے۔

چنانچہ مولانا امرت سَری کو ایک سائل کے جواب میں لکھنا پڑا

”پہلے تو ہم اس سائل کی غلط فہمی دور کرنا چاہتے ہیں کہ اہلِ حدیث قیاس و اجماع سے منکر نہیں، جن لوگوں نے صحیح بخاری پڑھی ہے وہ جان سکتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کس طرح قیاس سے کام لیتے ہیں۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۴۳۳)

حکماً حدیثِ مرفوع

غیر مقلد علماء کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ کسی حدیثِ موقوف کو دیکھ کر اسے ناقابلِ استدلال اور کمزور ضعیف قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب کہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

(۱) علامہ ابن تیمیہؒ نے منہاج السنۃ جلد دوم ص ۸۹ پر بتایا ہے کہ یہ روافض کا جملہ ہے۔

أنه موقوف لفظاً مرفوع حكماً — وہ لفظاً موقوف ہے، حکماً مرفوع ہے۔

(تحفۃ الأحوذی ج۲ص۴۳)

معلوم ہوا کہ کسی حدیث موقوف کو دیکھ کر فوراً اسے ضعیف یا ناقابلِ استدلال قرار دینا صحیح نہیں۔ کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ وہ لفظاً موقوف ہو، حکماً مرفوع ہو۔

ایک وقت کی تین طلاق ایک ہونے کا مسئلہ سات سوسال بعد کا ہے

غیر مقلدین نے اجماعِ امت سے ہٹ کر جو راہیں اپنائی ہیں، ان میں سے ''ایک وقت کی تین طلاق کو ایک کہنا'' بھی ہے۔ اِس مسئلہ میں ان حضرات نے ابن تیمیہؒ اور اِبن قیمؒ کی تقلید کی ہے، ورنہ اس سے پہلے یہ مسئلہ روافض کی علامت مانا جاتا تھا اور صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور محدثینؒ وائمۂ مجتہدین میں اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔

غیر مقلدین کے بیہقیٔ زماں (۱)، علامۂ دوراں مولانا ابوسعید شرف الدین دہلویؒ کو بھی اس کا اقرار ہے۔ چنانچہ فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۲۱۷ پر لکھتے ہیں:

''محدثین کی طرف مجلسِ واحد میں تین طلاق کو ایک شمار کرنے کی نسبت میں کلام ہے، یہ سخت مغالطہ ہے، اصل بات یہ ہے کہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے لے کر سات سوسال تک سلفِ صالحین صحابہ وتابعین ومحدثین سے تو تین طلاق کا ایک مجلس میں، واحد شمار کرنا تو ثابت نہیں۔ مَن ادّعیٰ فعليه البيان بالبرهان ودونه خرط القتاد۔''

ایک صفحہ کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''اصل بات یہ ہے کہ مجیب مرحوم (۲) نے جو لکھا ہے کہ تین طلاق مجلس واحد کی محدثین کے نزدیک ایک کے حکم میں ہیں، یہ مسلک صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ وغیرہ ائمہ

---

(۱) فتاویٰ ثنائیہ جلد اول ص ۷۱ پر اسی طرح القاب وآداب لکھے ہوئے ہیں۔ (۲) یعنی مولانا امرت سریؒ

محدثین متقدمین کا نہیں ہے۔ یہ مسلک سات سوسال کے بعد کے محدثین کا ہے جو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے فتویٰ کے پابند ہیں اوران کے معتقد ہیں۔ یہ فتویٰ شیخ الاسلام نے ساتویں صدی ہجری کے اخیر یااوائل آٹھویں میں دیا تھا۔ تواس وقت کے علمائے اسلام نے ان کی سخت مخالفت کی تھی۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں جہاں شیخ الاسلام کے متفردات مسائل لکھے ہیں، اس فہرست میں طلاقِ ثلاثہ کا مسئلہ بھی لکھا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تین طلاق کی ،ایک مجلس میں، ایک طلاق ہونے کا فتویٰ دیا تو بہت شور ہوا۔ شیخ الاسلام اوران کے شاگرد ابن قیمؒ پر مصائب برپا ہوئے، ان کو اونٹ پر سوار کر کے درّے مار مار کر شہر میں لا کر توہین کی گئی۔ قید کئے گئے، اس لئے کہ اس وقت یہ مسئلہ علامت روافض کی تھی''

(فتاویٰ ثنائیہ جلد ثانی ص ۲۱۹)

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں:

''ہاں تو جب کہ متاخرین علماءِ اہلحدیث عموماً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اوران کے شاگرد ابن قیمؒ کے معتقد ہیں، اس لئے وہ بے شک اس مسئلہ میں شیخ الاسلامؒ سے متفق ہیں اور وہ اسی کو محدثین کا مسلک بتاتے ہیں اور مشہور کر دیا گیا ہے کہ یہ مذہب محدثین کا ہے اوراس کے خلاف مذہب حنفیہ کا ہے، اس لئے ہمارے اصحاب فوراً اُس کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اُس کے خلاف کورد کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ فتویٰ یا مذہب آٹھویں صدی ہجری میں وجود میں آیا ہے۔'' (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۲۲۰)

وہی ضعیف، وہی قوی

غیر مقلدوں کے یہاں نمازِ جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اس کے

بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس باب میں یہ حضرات، جس روایت سے استدلال کرتے ہیں اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن عثمان بن ابی شیبہ کو ضعیف سمجھا گیا ہے، اسی ضعیف راوی کے سہارے نماز جنازہ مین سورۂ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا جاتا ہے۔ حالانکہ ائمہ اربعہؒ میں سے کسی کے یہاں بھی نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض اور واجب نہیں ہے۔ خود امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو موقوف کہا ہے اور مرفوع ہونے سے انکار کیا ہے۔ (ترمذی ۱/۱۹۸)

دلچسپ بات یہ ہے کہ بیس رکعات تراویح کی روایت میں بھی یہی راوی ہیں مگر اہلِ حدیث کے یہاں اب اس راوی کی روایت قابلِ استدلال نہیں، کیوں کہ یہ ضعیف ہے۔

حالانکہ بیس رکعات تراویح کو امت میں اس قدر تلقّی بالقبول حاصل ہے کہ چودہ سو سالوں میں کبھی اس سے کم تراویح ادا نہیں کی گئی۔

عجیب بات ہے کہ جب قیام رمضان کی باری آتی ہے تو یہ ضعیف ہو جاتے ہیں اور جب جنازہ کی باری آتی ہے تو خاصے قوی ہو جاتے ہیں۔

اپنے مقصد کے لئے کسی راوی کو قوی اور خلافِ مقصد کی صورت میں اسی کو ضعیف قرار دینے کی عادت غیر مقلد علماء میں بہت ہے، چنانچہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری، امام زہریؒ کا تعارف محدثین سے نقل کرتے ہوئے یوں کراتے ہیں:

متفق علیٰ جلالته واتقانه وهو من رؤس الطبقة الرابعة كذا في التقريب وقال في الخلاصة هو احد الأئمة الأعلام وعالم الحجاز والشام قال الليث مارأيت عالماً اجمع من	امام زہریؒ کے اتقان اور ان کی جلالتِ شان پر سب کا اتفاق ہے، وہ طبقۂ رابعہ کے سرفہرست لوگوں میں تھے ایسے ہی تقریب میں ہے اور خلاصہ میں کہا ہے کہ وہ حجاز وشام کے عالم تھے۔ امام لیثؒ

ابن شهاب. فرماتے ہیں میں نے ابن شہابؒ سے زیادہ جامع محدث کسی اور کو نہیں دیکھا۔

(تحفۃ الأحوذی ۱/۱۸)

دوسری طرف جب قرأت خلف الامام کے سلسلے میں انہیں زہریؒ کی روایت، اہلِ حدیث کے خلاف اوراحناف کے موافق پڑی، توانہیں مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ نے زہری کو اِن الفاظ میں نا قابلِ اعتماد قرار دیدیا۔

قلت فی سنده الزهری وهومدلس فكيف يكون اسناده صحيحاً (ابكار المنن ص ۱۱۸)

میں کہتا ہوں کہ اس کی سند میں زہری ہے اوروہ مدلس ہے اس لئے اس کی سند کیسے صحیح ہوگی؟

ایک اور مثال لیجئے! امام ترمذیؒ کے متعلق

مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ مبارک پوری اپنے مطلب کے لئے امام ترمذیؒ کی شان میں یوں قصیدہ خوانی کرتے ہیں:

قلت الترمذی من أئمةهذا الشان فقوله حديث بريدة فی هذا غيرمحفوظ يعتمدعليه وامااخراج البزارحديثه بسندظاهره الصحة لاينافی كونه غيرمحفوظ.

(تحفۃ الأحوذی ۱/۲۳)

میں کہتا ہوں کہ امام ترمذیؒ فنِ حدیث کے اماموں میں سے ہیں، اس لئے انھوں نے جو کہا ہے کہ بریدہؓ کی حدیث غیر محفوظ ہے، اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ اور بزار کا اس حدیث کو ایسی سند سے ذکر کرنا جس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صحیح ہے، وہ اس کے غیر محفوظ ہونے کے منافی نہیں۔

دیکھئے! ایک حدیثِ صحیح کو۔ سندِ صحیح سے مروی ہونے کے باوجود۔ صرف اس

لئے غیر صحیح کہہ دیا گیا، کیوں کہ اس کے متعلق امام ترمذیؒ نے ''غیر محفوظ'' کے الفاظ استعمال کر دیئے، جب کہ غیر محفوظ ہونے کی کوئی دلیل نہیں دی۔ اور امام ترمذیؒ کو من ائمة هذا الشان جیسے عظیم المرتبت لقب سے یاد کیا۔

اب حدیثِ ضعیف کو قوی بنانے کی مثال لیجئے !

یہی امام ترمذیؒ تعجیل ظہر کی ایک ضعیف روایت نقل کر کے اپنی تحقیق کے مطابق اسے حسن قرار دیتے ہیں تو چونکہ یہ بات اہلِ حدیث حضرات کے موافق پڑتی ہے اس لئے راوی کے متکلّم فیہ ہونے کے باوجود امام ترمذیؒ کی اس بات کو قبول کر لیا جاتا ہے اور یہاں بھی انھیں عظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ دیکھئے یہ عبارت !

قد حسن الترمذی هذا الحدیث وفیه حکیم بن جبیر وهو متکلم فیه فالظاهر انه لم یر بحدیثه بأسا وهو من أئمة الفن.

(تحفۃ الأحوذی ۱/۱۴۶)

امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے حالانکہ اس کی سند میں ایک راوی جبیر بن حکیم ہے جو کہ متکلّم فیہ (یعنی اس پر جرح کی گئی ہے) تو ظاہر یہی ہے کہ امام ترمذیؒ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا اور امام ترمذیؒ تو فنِ حدیث کے اماموں میں سے ہیں۔

اب آیئے ! دوسرا منظر دیکھئے

انہیں امام ترمذیؒ نے جب ترمذی شریف میں عبداللہ بن مسعودؓ کی ترکِ رفعِ یدین کی روایت نقل کی اور اسے قوی قرار دیا تو چونکہ یہ روایت اور اس کی تحسین احناف کے موافق اور اہلِ حدیث علماء کے خلاف پڑتی تھی اس لئے اب امام ترمذیؒ نہ تو فنِ حدیث کے امام رہے، نہ قابلِ اعتماد رہے۔ اور امام ترمذیؒ کے متعلق انہیں مولانا عبدالرحمٰن

صاحب کا لب ولہجہ یوں ہو گیا:

حدیث ابن مسعود لیس بصحیح ولا یحسن بل هو ضعیف لا یقوم بمثله حجة واما تحسین الترمذی فلااعتماد علیه لمافیه من التساهل.

(تحفۃ الأحوذی ۱/۲۲۰)

ابن مسعودؓ کی حدیث صحیح ہے نہ حسن ہے، بلکہ ضعیف ہے، اِس طرح کی حدیث سے حجت قائم نہیں ہو سکتی اور امام ترمذیؒ نے جو اُسے حَسن قرار دیا ہے تو امام ترمذیؒ پر اعتماد نہیں ہے کیوں کہ ان میں تساہل تھا۔

اپنی مطلب برآری کے لئے غیر مقلد علماء کس طرح اُسی کو قوی، اُسی کو ضعیف، اُسی کو امام، اسی کو نا قابلِ اعتبار، کہاں کہاں اور کس قدر قرار دیئے ہوئے ہیں، اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں۔ یہاں نمونے کے طور پر چند مثالیں دی گئی ہیں:

ضعیف وموضوع احادیث پیش کرنے کا پُرفریب انداز

غیر مقلد علماء، ضعیف وموضوع احادیث، کس پُرفریب انداز میں پیش کر کے کو مغالطہ دیتے ہیں، اس کی مثال میں مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوری کا انداز ملاحظہ کیجئے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ نے ایک ہاتھ کا مصافحہ مسنون ثابت کرنے کے لئے ایک کتابچہ لکھا ہے" المقالة الحسنیٰ فی سنية المصافحة باليداليمنى" اس میں اپنے گمان کے مطابق ایک ہاتھ کے مصافحہ کی حدیثیں جمع کی ہیں، مگر بے چاروں کی ساری محنت ضائع ہو گئی کیوں کہ ایک بھی حدیثِ صحیح نہ نقل کر سکے۔ جو حدیثیں نقل کیں ان میں ایک ہاتھ کا صریح تذکرہ نہ تھا، ایک صریح حدیث کنزل العمال کے حوالہ سے نقل کی بھی تو وہ بھی ضعیف، اور خود ہی اس کا اقرار بھی کرنا پڑا (کتابِ مذکور ص ۱۳) مگر اس

اقرار میں بڑی چالاکی سے کام لیا، ہوا یوں کہ یہ روایت اپنے کتابچہ میں تیسرے نمبر پر نقل کی ہے اور اس سے پہلے جو دو روایتیں نقل کیں ان میں سے پہلے کی سند کے ایک ایک راوی کا حال بتایا، مگر وہ روایت ایک ہاتھ کے مصافحہ میں صریح نہ تھی اور جب دوسری روایت نقل کی تو اس پر معمولی سی بحث کرتے ہوئے تیسری کے ضعف کی جانب انتہائی خفیف اور ہلکا اشارہ کر دیا۔ مگر جب تیسری روایت نقل کی تو چپ چاپ گزر گئے، حالانکہ اُن پر لازم تھا کہ پہلی دو روایتوں کی طرح تیسری روایت کی قوت وضعف کو روایت کے ساتھ ہی بتاتے نہ کہ اس سے پہلے، مگر چالاکی سے ایسا نہ کر کے تیسری نقل کرنے سے پہلے دوسری روایت کے ساتھ ہی تیسری کی طرف معمولی سا اشارہ کیا۔ تاکہ صرف اسی تیسری روایت کو دیکھنے والا دھوکہ کھا جائے اور یہ سمجھے کہ ایک ہاتھ کا مصافحہ حدیثِ صریح سے ثابت ہے۔ اور عام آدمی تو اس دوسری روایت کے ساتھ تیسری روایت کی جانب ضعف کے اشارہ کو بھی نہ سمجھ سکے گا اور حدیثِ صحیح کی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے گا۔



حنفیت اور غیر مقلّدیت

دونوں میں فرق کیا ہے؟

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ اور ان کے ایک شاگرد کی گفتگو(۱)

ہمارے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرّہٗ کا ایک بھانجہ مظاہر علوم سہارن پور سے فارغ ہوکر علی گڑھ میں ایک ڈاکٹر کا کمپونڈر بن گیا، یہ ڈاکٹر صاحب جماعتِ اہلِ حدیث سے منسلک تھے، اس لئے اپنے کمپونڈر کو بھی جماعتِ اہلِ حدیث میں شامل کرنے کی کوشش کی، اور اپنے مسلک کی کتابیں مطالعہ کرنے کی ترغیب دی، تین سال تک وہ اس مسلک کی کتابیں دیکھتا رہا، بالآخر غیر مقلد بن گیا، تین سال بعد حضرت مولاناؒ سے ملنے سہارنپور آیا، اور آتے ہی صاف کہہ دیا کہ اب میں حنفی نہیں ہوں، بلکہ جماعتِ اہلِ حدیث میں شامل ہوگیا ہوں، حضرت مولانا کو بہت افسوس ہوا اور مدرسہ مظاہر علوم کے علماء سے فرمایا کہ اپنے اس شاگرد کو سمجھاؤ اور اس کے شبہات کا ازالہ کرو، تین دن تک وہ علماء مظاہر علوم سے گفتگو کرتا رہا، اور اپنے مسلکِ جدید پر جما رہا، اتفاق

(۱) یہ گفتگو سب سے پہلے آج سے تقریباً چالیس سال قبل ماہنامہ البلاغ کراچی میں چھپی تھی، پھر اسے پمفلٹ کی شکل میں ہندوستان میں ''مکتبۂ احیائے سنت وآثارِ سلف مئوناتھ بھنجن'' نے شائع کیا۔ نام ہے ''تقلید کے بارے میں ایک گفتگو'' حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ایک شاگرد کا مکالمہ، یہی گفتگو نظام الفتاویٰ جلد دوم ص ۱۴۱ (شائع کردہ مکتبہ حسامیہ دیوبند) میں بھی موجود ہے۔

سے اسی زمانے میں یہ بندہ (۱) بھی حضرتؒ سے ملنے تھانہ بھون سہارن پور پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر حضرت بڑے خوش ہوئے، اور فرمایا تم بڑے اچھے موقع پر آئے، یہ تمہارا شاگرد حنفیت سے بیزار ہوکر جماعتِ اہلِ حدیث میں شامل ہوگیا ہے۔ تین دن سے علمائے مظاہر علوم اس کو سمجھا رہے ہیں مگر وہ اپنی بات پر جما ہوا ہے، تم بھی اس کو سمجھاؤ، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ بھی مجھ سے ملنے آگیا، میں نے کہا بعد نماز عشاء مجھ سے ملو، جب وہ وعدہ کر کے چلا گیا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ اس نے تین سال تک اہلِ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اس لئے نظر وسیع ہوگئی ہے گفتگو میں اس کا لحاظ رہے، میں نے کہا اِن شاء اللہ اس کا لحاظ رکھوں گا، آپ بھی دعاء اور توجہ سے مدد فرمائیں، چنانچہ حسبِ قرارداد، بعد نمازِ عشاء وہ میرے پاس آیا جب کہ میں بستر پر گیا تھا وہ پاؤں دبانے لگا میں نے بھی انکار نہ کیا، آخر تو شاگرد تھا، اس کے بعد حسب ذیل گفتگو ہوئی:

ظفر: ہاں صاحبزادے! بتلاؤ اب تمہار مسلک کیا ہے؟

شاگرد: عمل بالحدیث الصحیح۔

ظفر: بس عمل بالحدیث الصحیح؟ عمل بالقرآن نہیں؟

شاگرد: جناب والا! عمل بالقرآن تو سب سے پہلے ہے، اس کے بعد عمل بالحدیث الصحیح ہے۔

ظفر: اگر تمہارا یہ مسلک ہوتا تو پہلے عمل بالقرآن کو بیان کرتے پھر عمل بالحدیث کا نام لیتے،

شاگرد: وہ تو ظاہر ہے، اس لئے بیان کی ضرورت نہ سمجھی۔

ظفر: یہ تو تم نے بات بنائی ہے، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اہلِ حدیث قرآن پر عمل نہیں کرتے لیکن حنفیہ کا اصول یہ ہے کہ وہ اوّل قرآن کو دیکھتے ہیں، پھر احادیث کو، اور جس حدیث کو نصِ قرآن کے موافق پاتے ہیں اس کو ترجیح دیتے ہیں اور بقیہ احادیث

---

(۱) یعنی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ۔

کومحاملِ حسنہ پر محمول کرتے ہیں۔ اب میں تم کو بتلاتا ہوں کہ جن مسائلِ مشہورہ میں ہمارااوراہلِ حدیث کا اختلاف ہے۔ ان کے لئے ہم نے اول قرآن کو دیکھا اور جن احادیث کونصوصِ قرآنیہ کے موافق پایاان کوترجیح دی۔

قرأۃ فاتحہ خلف الامام ہی کا مسئلہ لے لو، ہم نے اس کے لئے قرآن کو پہلے دیکھا، سورۂ اعراف میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا) اس سے صاف معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ قرأت نہ کرنا چاہئے بلکہ قرآن کو سننا اور خاموش رہنا چاہئے۔ امام احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ یہ آیت باتفاقِ قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے بارے میں نازل ہوئی ہے(۱) اس کے بعد ہم نے احادیث کو دیکھا تو کسی حدیث میں بھی یہ نہیں آیا ہے کہ إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَاقْرَؤُا (یعنی جب امام قرأت کرے تو تم بھی قرأت کرو) إِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا تو حدیثوں میں موجود ہے کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو، جب رکوع کرے تو رکوع کرو، جب سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَه کہے تو تم رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْد کہو، جب سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو مگر یہ کہیں نہیں کہ جب وہ قرأت کرے تو تم بھی قرأت کرو، بلکہ اگر ہے تو إِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا کہ جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔ امام مسلمؒ اور امام احمدؒ نے اور ان کے علاوہ بہت سے محدثین نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، حنفیہ نے اس کو ترجیح دی اور بقیہ احادیث کو محاملِ حسنہ پر محمول کیا۔

آمین کے مسئلہ میں بھی حنفیہ نے اول قرآن کو دیکھا، چونکہ آمین دعاء ہے

---

(۱) جن علماء نے اس کو خطبۂ جمعہ سے متعلق کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ خطبہ کو بھی اس کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے، کیوں کہ یہ آیت مکی ہے اور مکہ میں نہ جمعہ تھا نہ خطبہ۔ ۱۲ ظفر

جیسا کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ اس لئے دعاء کے بارے میں قرآن کو دیکھا تو اس میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ملا، اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعاً وَّ خُفْيَة (اپنے رب سے تضرّع کے ساتھ آہستہ دعاء کرو) تو ہم نے اس مسئلہ میں شعبہؒ کی روایت کو ترجیح دی، جس میں وارد ہے، فقال آمین، وخفض بها صوته، یعنی آپ نے سورۂ فاتحہ کے ختم پر آمین کہی اور آواز کو پست کیا یعنی آہستہ سے آمین کہی، یہ حدیث ترمذی میں ہے۔

نماز کے اندر رفع یدین کے بارے میں بھی ہم نے اول قرآن کو دیکھا تو حق تعالیٰ کا ارشاد ملا، قُوْمُوْا لِلّٰهِ قَانِتِيْنَ۔ اور اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ پہلی آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ کے سامنے سکوت اور سکون کے ساتھ کھڑے ہو۔ دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ نماز میں خشوع کرنے والے ہیں وہ کامیاب ہیں اور خشوع کے معنیٰ بھی سکون ہی کے ہیں۔ اس کے بعد احادیث کو دیکھا تو صحیح مسلم میں روایت موجود ہے کہ صحابہؓ نماز میں سلام کے وقت ہاتھ اُٹھا کر السلام علیٰ فُلان السّلامُ علیٰ فُلان کہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَالی اراکم رافعی ایدیکم کأنها اذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة (یہ کیا حرکت ہے کہ تم اس طرح ہاتھ اُٹھاتے ہو جیسے گھوڑے دم اٹھاتے ہیں۔ نماز میں سکون سے رہو) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سلام کے وقت بھی ہاتھ اُٹھانا سکون کے خلاف ہے حالانکہ سلام کا وقت نماز میں داخل بھی ہے اور خارج بھی ہے، تو رکوع کے وقت ہاتھ اُٹھانا کیسے مناسب ہوگا جب کہ رکوع تو بالکل داخلِ صلوٰۃ ہے ہاں! تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اُٹھانا درست ہے کہ وہ داخلِ صلوٰۃ یعنی رکن نہیں، بلکہ شرطِ صلوٰۃ ہے اس لئے حنفیہ نے اُن روایات کو ترجیح دی ہے جن میں رکوع کے وقت ترکِ رفع یدین آیا ہے، اسی پر اور مسائل کو قیاس کرو کہ حنفیہ اول قرآن کو دیکھتے ہیں پھر احادیث میں سے جو نص قرآن

کے موافق یا قریب ہوں ان کو ترجیح دیتے ہیں۔

شاگرد: واقعی میں نے اب تک اس نکتہ پر غور نہیں کیا تھا، مگر یہ شبہ اب بھی باقی ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صحیح احادیث کے خلاف عمل کرتے ہیں۔

ظفر: عزیزِ من! پہلے تم صحیح حدیث کی تعریف تو بیان کرو، مگر دیکھو حدیثِ صحیح کی تعریف میں کسی کی تقلید نہ کرنا۔

شاگرد یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہا اور پسینہ پسینہ ہوگیا۔ پھر کہنے لگا کہ میں سمجھ گیا۔ واقعی، بغیر تقلید کے کسی حدیث کو صحیح کہنا مشکل ہے پھر بخاریؒ، مسلمؒ ترمذیؒ وغیرہ کی تقلید تو جائز ہو اور امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی تقلید ناجائز ہو۔ یہ کیوں کر ہوسکتا ہے، اب میں مسلکِ اہلِ حدیث کو چھوڑتا ہوں اور مسلکِ حنفی اختیار کرتا ہوں۔

ظفر: تم بہت جلدی سمجھ گئے، اس سے دل خوش ہوا، مگر میں اس کی اچھی طرح وضاحت کردینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ تقلید کا انکار کرتے ہیں اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں وہ بھی کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا حسن بغیر تقلید کے نہیں کہہ سکتے، رہا یہ عذر کہ حق تعالیٰ نے خبرِ صادق اور شہادتِ عادل کو حجت قرار دیا ہے تو یہ تقلید نہیں بلکہ اتباعِ حجت ہے، میں کہتا ہوں کہ حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنا محض خبر نہیں، بلکہ اس کا مدار محدث کے ظن اور اجتہاد پر ہے، بعض دفعہ سند کے راوی سب ثقہ ہوتے ہیں، مگر حدیث معلل ہوتی ہے اور علت کی معرفت حاذقین ہی کو ہوتی ہے، ہر محدث کو نہیں ہوتی، ابن ابی حاتمؒ نے کتاب العلل میں عبدالرحمٰن مہدیؒ کا قول نقل کیا ہے، کہ حدیث کی معرفت بھی الہام ہے، ابن نمیرؒ نے کہا واقعی سچ ہے، اگر محدث سے پوچھو کہ تم نے کیسے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا معلّل ہے تو اس کے پاس کچھ جواب نہ ہوگا۔

احمد بن صالحؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کی معرفت بھی ایسی ہی ہے جیسے سونے

اور پیتل کا پہچاننا، کیونکہ کہ جو ہر کو جوہری ہی پہچانتا ہے، پرکھنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ تم نے اس کو کھرا، اس کو کھوٹا کیسے کہا؟ تو وہ کوئی دلیل نہیں بیان کر سکے گا اِس سے ثابت ہو گیا کہ ائمہ حدیث کا کسی حدیث کو صحیح یا معلل کہنا محض خبر نہیں، بلکہ ان کا یہ قول ان کے ظن اور اجتہاد پر مبنی ہوتا ہے۔ تو اس باب میں ان کی بات پر اعتماد کرنا عینِ تقلید ہے، علامہ ابن القیمؒ کا یہ فرمانا کہ یہ احکام میں تقلید نہیں، اس لئے صحیح نہیں کہ احادیثِ صحیحہ پر عمل کرنا شرعاً واجب اور ضعیف پر عمل کرنا غیر واجب اور موضوع پر عمل کرنا حرام ہے، تو یہ تقلید احکام ہی میں ہے، غیر احکام میں تو نہیں، اسی لئے فقہا نے بحثِ سنت کو اور اس کے قبول ورد کے قواعد کو اصولِ فقہ میں بھی بیان کیا ہے، علامہ ابن القیم کا اس کو اتباع کہنا، تقلید نہ کہنا صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے حقیقت ایک ہی ہے۔

عبارا تنا شتیٰ وحسنك واحد ☆ وكل الىٰ ذاك الجمال يشير

عزیزِ من! قرآن کا صحیح پڑھنا واجب ہے یا نہیں؟ یقیناً واجب ہے، اور غلط پڑھنا حرام ہے، اب تم بتلاؤ کہ بغیر ائمہ قرأت کی تقلید کے تم قرآن صحیح پڑھ سکتے ہو؟ ہرگز نہیں! اور یہ بھی تقلید فی الاحکام ہی ہے، اسی طرح حدیث کو پہچاننا اور صحیح کو ضعیف سے الگ کرنا بھی واجب ہے اور اس میں تقلید ائمہ سے چارہ نہیں، پھر جماعتِ اہلِ حدیث کس منہ سے تقلید کا انکار کرتی ہے؟

پھر تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ محدثین نے جو اصول، حدیث کی صحت وضعف کے لئے مقرر کئے ہیں وہ آسمانی وحی سے مقرر نہیں کئے، بلکہ اپنے ظن واجتہاد سے مقرر کئے ہیں، ایسے ہی ہمارے فقہاء نے بھی صحت وضعفِ حدیث کے لئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں جو اصولِ فقہ کی بحث السنۃ میں مذکور ہیں اس لئے ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث، محدثین کے اصول پر صحیح ہو اور ہمارے اصول پر ضعیف ہو۔ یا ہمارے اصول پر صحیح ہو، محدثین کے

اصول پر ضعیف ہو، تو اس پر نزاع کرنا غلط ہے۔ دلائل میں غور کرنا چاہئے کہ دلیل سے کس کے اصول قوی ہیں۔

آخر میں اتنا اور بتلا دوں کہ حنفیہ سے زیادہ حدیث کا اتباع کوئی نہیں کرتا، حنفیہ تو قرونِ ثلٰثہ میں مرسل اور منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں جس کو اہلِ حدیث رد کر دیتے ہیں۔ اور مراسیل و مقاطیع کا ذخیرہ احادیثِ مرفوعہ سے کم نہیں، کچھ زیادہ ہی ہے، تو یہ لوگ حدیث کے آدھے ذخیرے کو چھوڑتے ہیں، پھر مرفوعات میں سے بھی یہ لوگ صحیح یا حسن ہی کو لیتے ہیں، ضعیف کو رد کر دیتے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک حدیثِ ضعیف بھی قیاس سے مقدم ہے، بلکہ قولِ صحابی اور قولِ تابعی کبیر بھی قیاس سے مقدم ہے، اب تم ہی بتلاؤ کہ عامل بالحدیث کون ہے؟ اور تارکِ حدیث کون؟ رہا یہ کہ بعض مسائل میں حنفیہ، حدیثِ صحیح کو چھوڑ دیتے ہیں، تو اس کا جواب میں پہلے دے چکا ہوں کہ اس صورت میں جس حدیث پر حنفیہ نے عمل کیا ہے وہ ان کے اصول پر صحیح تھی، گو محدثین کے نزدیک ضعیف ہو، حنفیہ کے نزدیک صحتِ حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں، بلکہ اس کے لئے کچھ اور بھی شرائط ہیں جو اصولِ فقہ میں مذکور ہیں، اور ہم نے مقدمۂ اعلاء السنن میں بھی ان کو بیان کر دیا ہے اور مقدمۂ اعلاء السنن کے دوسرے حصے میں تقلید و اجتہاد پر مفصل کلام کیا گیا ہے، جو زیرِ طبع ہے(۱)

شاگرد: الحمدللہ اب میری آنکھیں کھل گئی ہیں، اور میں اہلِ حدیث کے مغالطہ سے نکل گیا ہوں۔



(۱) اب چھپ گیا ہے۔

بیش قیمت انعام حاصل کرنے کا موقع

قارئین کرام! اس کتاب کے ص ۴۴ پر غیر مقلد عالم مولانا محمد جونا گڈھی کا یہ اعلان پڑھ چکے ہیں ——— ''تین سو روپئے نقد انعام کا وعدہ'' ——— اس اعلان پر ہمارا تبصرہ بھی قارئین کی نظر سے گزر چکا ہے۔

اب ایک حنفی عالم مولانا منیر احمد صاحب ملتانی کی طرف سے بھی انعام کا اعلان ملاحظہ فرمائیں، اہلِ حدیث علماء کو چاہئے کہ ان بیش قیمت انعامات کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

مثلاً وہ غیر مقلدین کے سامنے یوں سوالات رکھتے ہیں(۱)

ننگے سر نماز؟

''اگر غیر مقلدین، صحیح حدیث میں دکھادیں کہ پوری زندگی میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے یا کسی صحابیؓ نے کپڑا ہونے کے باوجود بغیر مجبوری کے مسجد میں فرض نماز ننگے سر پڑھی ہے، اوراس حدیث کو امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کئے بغیر صحیح ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے؟ دیدہ باید۔'' (بارہ مسائل، بیس لاکھ انعام ص ۲۵)

---

(۱) مصنفِ کتاب نے ہر سوال سے قبل اس سے متعلق مباحث تفصیل سے نقل کئے ہیں، احادیث وآثار کے علاوہ غیر مقلدین کی عبارات بھی درج ہیں۔ پھر ساری تفصیلات کے بعد مذکورہ بالا سوالات قائم کئے ہیں۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم غیر مقلد علماء کو ان سوالات کی طرف متوجہ کریں، کیوں کہ اگر وہ واقعی اپنے بلند بانگ دعووں کے مطابق مضبوط دلائل رکھتے ہیں تو انھیں یہ انعامات حاصل کرلینا چاہئیں۔

نماز میں ٹانگیں چوڑی کرنا؟

''غیر مقلدین حضرات اپنے دعویٰ کے مطابق حدیث میں تاویل کئے بغیر، حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث کے مطابق ٹخنہ سے ٹخنہ، گھٹنہ سے گھٹنہ، کندھا سے کندھا، ملا کر نماز شروع کر دیں، اور اپنا موجودہ عمل کہ کھڑے ہو کر پاؤں کو پاؤں سے ملانا اور ٹخنہ سے ٹخنہ، گھٹنہ سے گھٹنہ، کندھے سے کندھا دور رکھنا کسی قولی یا فعلی صحیح صریح مرفوع متصل حدیث میں دکھا دیں۔ اور اس کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کئے بغیر ثابت کر دیں، تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دینگے؟'' (کتاب مذکور ص ۲۹)

نماز شروع کرتے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا

''امام اعظم ابو حنیفہؒ نے اپنی فقاہت اور اجتہادی رائے سے ان مختلف روایات کے درمیان تطبیق یوں دی کہ نمازی نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں۔ اور انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر اور انگلیاں کانوں کے اوپر والے کناروں کے برابر ہوں تاکہ بیک وقت سب روایات پر عمل ہو جائے۔ باقی سینہ تک ہاتھ اٹھانے کی روایت عذر و مجبوری پر محمول ہے، جیسا کہ یہ جملہ کہ ان پر ٹوپیاں اور چادریں تھیں۔ اِسی عذر کی نشاندہی کر رہا ہے کہ سردی کا موسم تھا چادریں لپٹی ہوئی تھیں۔ اس عذر سے چادروں کے اندر ہی سینے تک ہاتھ اٹھائے۔

نوٹ: اگر غیر مقلدین ان مختلف روایات کے درمیان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فیصلہ صحیح صریح مرفوع متصل حدیث میں دکھا دیں کہ آپ نے کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا ہو اور کانوں تک اٹھانے سے منع کیا ہو۔ یا آپ نے اختیار دیا ہو کہ تمہیں اختیار ہے جیسے چاہو کر لو۔ یا کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث راجح ہے۔ اور اس

حدیث کی صحت امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کئے بغیر ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ ورنہ دھوکہ دینا چھوڑ دیں کہ ہم صرف قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں اور تقلید نہیں کرتے۔'' (کتاب مذکور ص ۳۱)

دایاں ہاتھ، بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھ کر سینہ پر ہاتھ باندھنا؟

''غیر مقلد اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ کی کہنی پر رکھ کر دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لیتے ہیں، اگر غیر مقلدین اپنے اس عمل پر صحاحِ ستہ سے ایک صحیح صریح مرفوع متصل حدیث پیش کردیں اور اس حدیث کی صحت اور ہماری پیش کردہ حدیثوں کا ضعف امتیوں کے اقوال وآراء کی تقلید کئے بغیر ثابت کردیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔''

(کتاب مذکور ص ۳۴)

سینہ پر ہاتھ باندھنے کی روایات

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری نے فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۴۳ میں لکھا ہے، سینے پر ہاتھ باندھنے کی احادیث بخاری ومسلم اور ان کی شروح میں بکثرت ہیں، نیز فتاویٰ ثنائیہ ج ۱ ص ۴۵۷ میں لکھا، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھا کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں بھی ایک ایسی حدیث آئی ہے۔ اور مجاہدینِ لشکرِ طیبہ کا نصابی کتابچہ ریاض المجاہدین کے ص ۹۰ پر عنوان دیا ''سینے پر ہاتھ باندھنا'' اور حوالہ بخاری باب نمبر ۷۷۴ صفحہ ۱۷۳ ج ۱ - دیا ہے اسی طرح سننِ نسائی کا حوالہ دیا ہے۔ اگر وہ حدیث مع عربی متن وسند بخاری، مسلم، سننِ نسائی میں دکھادیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ (کتاب مذکور ص ۳۴)

امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا؟

''ہمارے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی اُن مختلف روایات کے بارے میں فقیہانہ اور مجتہدانہ رائے یہ ہے کہ قرأت کے مسئلہ میں تبدیلی ہوتی رہی ہے، اخیر میں مقتدیوں کو علی الاطلاق خاموش رہنے کا حکم دیا اور امام کی قرأت کو ہی مقتدیوں کی قرأت قرار دیا گیا۔ اگر غیر مقلدین ان مختلف متضاد روایات کے متعلق نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ صحیح صریح مرفوع متصل حدیث میں صراحۃً دکھا دیں اور اس حدیث کی صحت بھی امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کئے بغیر ثابت کر دیں تو ہم لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔''

(کتاب مذکور ص ۴۵)

آمین زور سے کہنا

''اگر غیر مقلدین صحیح صریح مرفوع متصل حدیث سے مندرجہ ذیل امور ثابت کر دیں (۱) نبی علیہ السلام کی اخیر زندگی تک امام و مقتدیوں کا آمین بالجہر پر دَوام۔ (۲) امام فرضوں کی چھ رکعتوں میں یعنی دو مغرب، دو عشاء، دو فجر میں آمین بلند آواز سے کہے اور باقی گیارہ رکعت میں آہستہ کہے۔ (۳) مقتدی فرضوں کی چھ رکعت میں آمین بلند آواز سے کہیں۔ باقی گیارہ رکعتوں میں آہستہ کہیں (۴) منفرد تمام رکعات میں آمین آہستہ کہے۔ (۵) امام، مقتدی اور منفرد سنت و نفل میں آمین آہستہ کہیں۔ اور حدیث کی صحت اور ہمارے پیش کردہ دلائل کا ضعف امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں تو ہم ان کو ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔'' (کتاب مذکور ص ۴۸)

رفعِ یدین۔ غیر مقلدین کا عمل اور دعویٰ

''غیر مقلدین چار رکعت نماز میں دس جگہ رفع یدین کرتے ہیں:

(۱) پہلی اور تیسری رکعت کے شروع میں، ہر چار رکوع سے پہلے اور بعد۔

(۲) ۱۸ جگہ رفع یدین نہیں کرتے دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں ۸ سجدوں میں سے ہر سجدہ سے پہلے اور بعد۔

(۳) ۱۰ جگہ رفع یدین فرض ہے اور ۱۸ جگہ رفع یدین منع ہے۔

(۴) غیر مقلدین کا دعویٰ ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اخیر زندگی تک ہمیشہ ہمیشہ یہ عمل کرتے رہے یعنی ۱۰ جگہ رفع یدین کرنا ۱۸ جگہ نہ کرنا۔

(۵) رفع یدین کے بغیر نماز باطل ہے۔

نوٹ: اگر غیر مقلدین اپنا یہ عمل و دعویٰ ایک قولی اور ایک فعلی صحیح صریح مرفوع متصل حدیث سے ثابت کر دیں اور حدیث کی صحت بھی امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر محض اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کر دیں تو ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ (کتاب مذکور ص ۵۱)

رفع یدین کی یہ روایتیں کہاں ہیں؟

''غیر مقلدین اپنی اردو بخاری ج ۱ ص ۴۶۸، باب ۴۷۴، حاشیہ ۴ کے مطابق عشرۂ مبشّرہ کی نام بنام رفع یدین کی دس حدیثیں، اور پچاس صحابہؓ سے نام بنام پچاس حدیثیں، جو شیعوں کے قرآن کی طرح غار میں چھپی ہوئی ہیں تحریر کر دیں۔ اور ان کی صحت امتیوں کے اقوال و آراء کی تقلید کے بغیر ثابت کر دیں۔ ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔

سوال: ترمذی ص۵۹ ج۱ میں ہے کہ متعدد صحابۂ کرامؓ ترکِ رفع یدین کے قائل تھے۔سوال یہ ہے کہ ان کی نماز درست ہیں یاباطل؟ وہ بے نمازی تھے یانمازی؟ وہ نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہوئے یاغیر متبع؟ وہ اہلِ حق ہوئے یااہلِ باطل؟ وہ جنتی ہوئے یادوزخی؟ (کتاب مذکور ص۵۲)

سوالات اور بھی ہیں، ہم نے بطور نمونہ چند کا تذکرہ کردیا ہے۔

اِن سوالات کے متعلق خود ہماری رائے یہ ہے کہ مسائلِ مجتہد فیہ میں یہ انداز نہیں اختیار کرنا چاہئے، مگر چونکہ اہلِ حدیث حضرات میں چیلنج بازی اور اشتہار و پوسٹر بازی کی عادت بہت زیادہ ہوگئی ہے، اس لئے اس طرح کے سوالات اُن کے مزاج کے عین مطابق ہیں۔انہیں یہ انداز پسند کرنا چاہئے۔

ایک اور حنفی عالم، غیر مقلد حضرات کو کروڑ روپئے انعام دینے کا اعلان کرتے ہیں، اُن کے سوالات یہ ہیں:

الف: ایک حدیث ایسی لائیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کو ۱۱۳ سورتیں پڑھنی حرام ہیں، صرف ایک سورۂ فاتحہ پڑھنی فرض ہے، اس کے پڑھے بغیر مقتدی کی نماز نہیں ہوتی اور اُس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہو کیوں کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی بات حجت نہیں۔

ب: چار رکعت نماز میں آٹھ سجدے ہوتے ہیں۔ آپ نہ سجدوں میں جاتے وقت رفع یدین کرتے ہیں اور نہ اٹھتے وقت۔ گویا سولہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور دوسری اور چوتھی رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین نہیں کرتے۔ تو کل اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے اور چار رکعت میں چار رکوع ہوتے ہیں۔ آپ رکوع جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کرتے ہیں، یہ آٹھ رفع یدین ہوئے، اور پہلی اور تیسری رکعت کے شروع

میں رفع یدین کرتے ہیں، تو کل دس جگہ رفعِ یدین ہوئے۔

آپ ایک اور صرف ایک ایسی حدیث پیش فرمائیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھارہ جگہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور دس جگہ کرتے تھے۔ اور یہ آپ کا ہمیشہ کا عمل تھا جو اس طرح نماز نہ پڑھے، اس کی نماز نہیں ہوتی۔ اور اس حدیث کو اللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا ہو۔ ہم آپ کو انعام بھی دیں گے اور اہلحدیث بھی ہو جائیں گے۔ صرف ایک غیر جانبدار عربی پروفیسر یہ تصدیق کر دے کہ واقعی دونوں حدیثوں میں مطلوبہ پانچ پانچ باتیں پائی گئی ہیں۔ (تجلیات صفدر ۱/۴۷۰ و ۴۷۱)



ساری صحیح احادیث پر عمل ممکن نہیں

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جس طرح غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ وہ صرف صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں، غلط ہے، اِسی طرح یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ وہ تمام صحیح احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ کیوں کہ ساری صحیح حدیثوں پر عمل ممکن نہیں۔ صحیح احادیث میں وہ احادیث بھی ہوتی ہیں جو اگر چہ صحیح ہوتی ہیں لیکن منسوخ ہونے کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں ہوتیں، جس طرح قرآن کی منسوخ آیات قابلِ عمل نہیں ہوتیں، وہ قرآن میں موجود ہیں، ان کے پڑھنے پر ثواب بھی پورا پورا ملتا ہے مگر حکم پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ کیوں کہ منسوخ ہیں، حکم بدل چکا ہے۔

یہاں اِس قسم کی آیاتِ کریمہ کی تین مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

چند آیاتِ کریمہ جو منسوخ ہونے کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں

پہلی مثال:- سورۂ بقرہ میں ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرَنِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقّاً عَلَى الْمُتَّقِيْنَ. (آیت- ۱۸۰)

تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو موت نزدیک معلوم ہونے لگے، بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو، تو والدین اور اقارب کے لئے معقول طریقہ پر وصیت کر جائے، یہ حق لازم ہے متقیوں پر۔

یہ آیتِ کریمہ اس وقت کی ہے جب آیتِ میراث نازل نہیں ہوئی تھی، اور ورثہ کا حصہ متعین نہیں ہوا تھا اس لئے ورثہ، مثلاً ماں باپ کے لئے وصیت کا فرض ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ آیتِ کریمہ سورۂ نساء کی درج ذیل آیت سے جو کہ آیتِ میراث کہلاتی ہے، منسوخ ہے کیوں کہ اس سے ورثہ کا حصہ متعین ہوگیا۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الاُنْثَيَيْنِ الخ

(آیت ۱۱ تا ۱۴)

اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں، لڑکے کا حصہ، دو لڑکیوں کے حصہ کے برابر الخ

سورۂ بقرہ کی آیتِ مذکورہ کا نسخ درج ذیل حدیثِ نبوی سے مزید مؤکد ہوگیا (۱)

عَنْ أبی امامة قَال سمعت رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم یقول فی خطبتهٖ عام حجة الوداع انّ اللّٰه قد أعطیٰ کل ذی حق حقّهٗ فلا وصیة لِوارث (۲)

ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے خطبہ میں فرمارہے تھے بیشک اللہ نے حق والے کو اس کا حق دیدیا، لہٰذا (اب) وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

دوسری مثال: سورۂ بقرہ میں ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً وَصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَتَاعاً اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ . الخ

(آیت ۲۴۰)

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے، اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو وہ وصیت کر جایا کریں اپنی اُن بیویوں کے واسطے ایک سال تک منتفع ہونے کی، اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں الخ

---

(۱) الفوز الکبیر ص ۵۲۔ (۲) دار قطنی ۳/۳۲ حدیث ۲۹۳۷ و ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ۔

اِس آیتِ کریمہ سے وفات یافتہ شوہر کی بیوی کی عدت ایک سال ثابت ہوتی ہے مگر یہ آیت سورۂ بقرہ ہی کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:(۱)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجاً يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّ عَشْراً الخ (آیت ۲۳۴)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ ایسی عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔

تیسری مثال:- سورۂ نساء میں ہے:

وَالّتِىْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَاءِ كُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَأَمْسِكُوْهُنَّ فِى الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ أَوْيَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلاً. (آیت ۱۵)

اور جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں تمہاری بیویوں میں سے پس تم لوگ ان عورتوں پر چار آدمی اپنوں میں سے گواہ بنالو، پس اگر وہ گواہی دیں تو تم ان کو گھروں کے اندر مقید رکھو، یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کردے، یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ تجویز کردے۔

یہ سورۂ نور کی درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

أَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِأةَ جَلْدَةٍ. (آیت ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد پس ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

اِس آیت میں سورہ نساء کے مذکورہ حکم کو بدل دیا گیا اور ان کے لئے راہ نکالنے کا جو وعدہ کیا گیا تھا، پورا کیا گیا۔(۲)

---

(۱) الفوز الکبیر ص ۵۴ (۲) کتابِ مذکور ص ۵۶۔

چند وہ احادیث جو منسوخ ہونے کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں

اب وہ چند احادیثِ کریمہ پیش کی جاتی ہیں جو صحاحِ ستہ میں موجود ہیں، اُن کے صحیح اور مرفوع متصل ہونے میں کوئی کلام نہیں مگر منسوخ ہونے کی وجہ سے قابلِ عمل نہیں۔

پہلی مثال:- مسلم شریف میں ہے:

عن ابی هُریرة قال قال رسول الله علیه وسلم تَوَضؤا ممامست النار. (۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اُن چیزوں کے استعمال سے وضو کرو جن کو آگ نے چھوا ہو۔

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور پھر سے وضو کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ حدیث بخاری و مسلم کی ہی اِس حدیث سے منسوخ ہے۔ (۲)

عن عبدالله بن عباس قال ان رسول الله ﷺ اکل کتف شاة ثم صلی ولم یتوضأ (۳)

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بکری کا مونڈھا کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اِس طرح کی روایات عمرو بن امیہؓ، ام المؤمنین حضرت میمونہؓ اور ابو رافعؓ سے بھی مروی ہیں۔ (مناہل العرفان فی علوم القرآن ۲/۱۹۵)

دوسری مثال:- جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تھی تو ابتداءً شراب کے برتن استعمال کرنے تک سے منع کر دیا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت

---

(۱) مسلم ۱/۱۵۷ (۲) قال الشیخ الامام الاجل محی السنة رحمہ اللہ ھذا منسوخ بحدیث ابن عباس الخ مشکوٰۃ ۱/۴۰۔ (۳) بخاری مسلم ۱/۱۵۷۔

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد عبدالقیس کو شراب بنانے اور رکھنے کے چار قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا۔ الفاظِ حدیث یہ ہیں:

ونهاهم عن اربع عن الحنتم والدُبَّاء والنقير والمزفت (۱)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا، گھڑے سے، کھوکھلے کئے ہوئے کدو کے برتن سے، درخت کی جڑ کے برتن اور تارکول مَلے ہوئے برتن سے۔

شارحینِ حدیث کہتے ہیں کہ یہ ممانعت سدًّاللذ رائع تھی شراب تو شراب، شراب کے برتنوں تک کو نہ استعمال کرنے اور پھینکنے کا حکم دیا گیا، لیکن جب شراب کی حرمت ذہنوں میں راسخ ہوگئی تو مذکورہ برتنوں کو پاک کر کے استعمال کی اجازت دیدی گئی اور حدیثِ مذکور منسوخ ہوگئی۔

حدیثِ ناسخ کے الفاظ یہ ہیں:

وكنت نهيتكم عن الشرب في الدُّباء والحنتم والمزفت فاشربوا في الظروف فان الظروف لاتحل شيأً ولاتحرمه (۲)	میں نے تم کو کھوکھلے کئے ہوئے کدو کے برتن، سبز گھڑے اور درخت کی جڑ کے برتن کے استعمال سے منع کیا تھا، تم اِن برتنوں میں (پانی وغیرہ) پیو، کیوں کہ برتن نہ کسی چیز کو حلال بناتا ہے نہ حرام۔

غور کیجئے! سابقہ منسوخ حدیث کے حدیث صحیح مرفوع متصل ہونے میں ذرا بھی شک نہیں، بخاری ومسلم کی حدیث ہے مگر منسوخ ہوجانے کی وجہ سے نہ قابلِ عمل

(۱) بخاری ۱/۱۳ (۲) اصول السرخسی ۷۷، فتح الباری ۱/۱۷۹، بخاری ۲/۸۳۷ باب ترخیص النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الاوعیۃ والظروف بعد النہی، عمدۃ القاری ۱/۳۱۱۔

ہے، نہ قابلِ استدلال۔

تیسری مثال:- جمعہ کے دن غسل کرنا فرض تھا، لیکن بعد میں فرضیت منسوخ ہوگئی اب سنت یا مستحب ہے، دیکھئے! بخاری و مسلم کی تین حدیثیں جن سے جمعہ کے غسل کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے:

(۱) **عن عبدالله بن عمرأن رسول الله ﷺ قال اذاجاء احدكم الجمعة فليغتسل.**

عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا جمعہ کا دن آئے تو غسل کرے۔

(بخاری ۱/۱۲۰ و مسلم)

(۲) **عن ابى سعيد الخدرى أنّ رسول الله ﷺ قال غسل يوم الجمعة واجب علىٰ كل محتلم**

(بخاری ۱/۱۲۱ و مسلم)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

(۳) **عن ابى هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم حق علىٰ كل مسلم ان يغتسل فى كل سبعة ايام يوماً يغسل فيه رأسه وجسده**

(بخاری ۱/۱۲۳ و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ سات دن میں ایک دن (جمعہ کے دن) غسل کرے، اس میں اپنا سر اور بدن دھوئے۔

یہ تینوں حدیثیں صحیح مرفوع متصل ہیں مگر منسوخ ہیں۔ اس لئے ان حدیثوں کو پیش کر کے اگر کوئی جمعہ کے دن کے غسل کو اب بھی فرض کہے تو اُسے نادان اور ناسمجھ قرار دیا جائے گا۔

بخاری و مسلم کی مذکورہ احادیثِ صحیحہ کی ناسخ احادیث ابوداؤد، ترمذی، نسائی،

دارمی اور مسند احمد بن حنبل میں آئی ہوئی ہیں، مثلاً دیکھئے یہ حدیث:

عن سمرة بن جندب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من توضأ يوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل.

(ابوداؤد ۱/۵۱، ترمذی ومسند احمد)

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن وضو کیا تو بہتر اور ٹھیک ہے اور جس نے غسل کیا تو غسل کرنا افضل ہے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل کرنا فرض یا واجب نہیں ہے، اگر کوئی شخص غسل نہ کرے، صرف وضو کر لے تو بھی کافی ہے، البتہ غسل کر لینا افضل ہے۔

عن عكرمة أن ناسا من اهل العراق جاء وا فقالوا يا ابن عباس أترى الغسل يوم الجمعة واجباً قال لا ولٰكنه اطهر وخير لمن اغتسل ومن لم يغتسل فليس عليه بواجب.

(ابوداؤد ۱/۵۱)

عکرمہؒ سے روایت ہے کہ اہلِ عراق میں سے کچھ لوگ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے پاس آئے اور عرض کیا اے ابن عباس! کیا جمعہ کے دن کا غسل واجب ہے؟ جواب دیا نہیں۔ لیکن وہ زیادہ پاکیزگی کا سبب ہے اور زیادہ بہتر ہے اس کے لئے جو غسل کرے۔ اور جو غسل نہ کرے تو وہ اس پر واجب نہیں ہے۔

چوتھی مثال:- اب دو روایتیں ایسی ملاحظہ کیجئے جس میں ''حکم ناسخ'' اور ''حکم منسوخ'' دونوں کا تذکرہ ساتھ ساتھ ہے۔

(۱) كنت نهيتكم عن زيارة القبور ألا فزوروها فانها تزهّد فى الدنيا وتذكّر الاٰخرة.

میں نے تمہیں زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ خبردار! اب زیارت کر سکتے ہو، اس لئے کہ یہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہے اور

(ابن ماجہ ص ۱۱۴) آخرت یاد دلاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ پہلے زیارتِ قبور سے منع کیا گیا تھا، پھر اجازت دے دی گئی۔

(۲) **كنت نهيتكم عن لحوم الأضاحي فوق ثلاث ليتسع ذو والطول علىٰ من لاطول لهٗ فكلوا مابدالكم واطعموا وادخروا.**

(ابوداؤد۲/۳۸۹، ترمذی ا/۲۷۷، نسائی ۲/۲۰۸)

میں نے تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ روک کر رکھنے سے منع کیا تھا، تاکہ تم میں صاحبِ حیثیت، غریب ونادار کو کھلادے، پس کھاؤ جو کھانا چاہو اور کھلاؤ اور ذخیرہ کرو۔

معلوم ہوا کہ پہلے قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے کی ممانعت تھی، پھر اسے ذخیرہ بنا کر (خشک وغیرہ کر کے) رکھنے کی اجازت دیدی گئی۔

آیات یا احادیث کے نسخ کی جو مثالیں دی گئی ہیں، اہلِ علم کے لئے وہ نہ محتاجِ دلیل ہیں اور نہ محتاجِ ثبوت، کیوں کہ ان کے نزدیک یہ ساری چیزیں ایک بدیہی حقیقت ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اہلِ علم میں ہونے کا بھی مدعی ہو یا اسی صف میں شمار ہوتا ہو پھر وہ دعویٰ کرے کہ ہم ساری احادیثِ صحیحہ پر عمل کرتے ہیں، کسی صحیح حدیث کو ہم چھوڑتے نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دعویٰ مسموع یا قابلِ التفات نہیں ہوسکتا۔ بلکہ وہ درج ذیل احادیثِ نبویہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ رد ہوگا۔

كلامي لاينسخ كلام الله و كلام الله ينسخ كلامي و كلام الله ينسخ بعضهٗ بعضاً (۱)

میرا کلام، اللہ کے کلام کو منسوخ نہیں کرتا۔ اور اللہ کا کلام، میرے کلام کو منسوخ کردیتا ہے، اور اللہ کا کلام، اس کا بعض، بعض کو منسوخ کرتا ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

(۱) دار قطنی ۴/۶۹ حدیث ۴۲۳۳ عن جابر

ان احادیثنا ینسخ بعضها بعضاً کنسخ القرآن (۱) — ہماری حدیثیں ایک دوسرے کومنسوخ کردیتی ہیں، کلام اللہ کے منسوخ کرنے کی طرح۔

قرآن سے ثابت ہے کہ ناسخ حکم یا تو مقام ومرتبہ اور نفع میں منسوخ سے بڑھ کر ہوگا یا پھر اس کے برابر ہوگا، کم تر ہونے کا سوال ہی نہیں۔

مَانَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْنُنْسِهَانَاتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا أَوْ مِثْلِهَا. (بقرہ /۱۰۶) — ہم کسی آیت کا حکم جو موقوف کردیتے ہیں یا اس آیت کو ہی فراموش کردیتے ہیں تو ہم اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ناسخ حکم ہی راجح ہوتا ہے، وہی قابلِ استدلال ہوتا ہے وہی قابلِ عمل ہوتا ہے، خواہ قرآن کا ہو یا حدیث کا۔

دو مثالیں امام ترمذیؒ کے حوالے سے

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

''امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں لکھا ہے کہ میری کتاب میں دو حدیثیں ایسی ہیں کہ جن پر کسی فقیہ کا عمل نہیں ہے، ایک حضرت ابن عباسؓ کی روایت (۲) "قال جمع رسول الله صلى الله عليه وسلم بين الظهر والعصر وبين المغرب والعشاء بالمدينة من غير خوف ولا مطر. (ترمذی ج ۱/۴۷ باب ماجاء فی الجمع بین الصلوٰتین) حالانکہ سند کے اعتبار سے یہ حدیث قابلِ استدلال ہے، دوسری حدیث

---

(۱) دارِقطنی ۴/۶۹ حدیث ۴۲۳۴ ابن عمر (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ظہر وعصر اور نماز مغرب وعشاء کو بغیر کسی خوف وبارش کے جمع کیا۔

امیر معاویہؓ کی ہے(۱): قال قال رسول صلی الله علیه وسلم من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فی الرابعه فاقتلوه (ترمذی ج۱/۲۰۹ابواب الحدود باب ماجاء من شرب الخمر فاجلدوه فان عاد فی الرابعة فاقتلوه) حالانکہ یہ حدیث بھی قابلِ استدلال ہے، ان دونوں حدیثوں کے ظاہر کو باجماعِ امت ترک کردیا گیا ہے، کیونکہ دوسرے دلائلِ قویہ ان کے خلاف موجود تھے، لیکن ان حدیثوں کے ترک کرنے کی وجہ سے کسی کو بھی تارکِ سنت نہیں کہا گیا۔

اسی طرح امام ترمذیؒ نے ابواب النکاح باب ماجاء فی الزوجین المشرکین یسلم احدهما میں ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے،(۲) ردّ النبی صلی الله علیه وسلم ابنته زینبؓ علیٰ ابی العاص بن الربیع بعد ستّ سنین بالنکاح الاوّل ولم یحدث نکاحاً۔ اس حدیث کا صریح تقاضا یہ ہے کہ اگر زوجۂ مشرکہ کے اسلام لانے کے چھ سال بعد بھی اس کا پُرانا شوہر مسلمان ہوجائے تو نکاحِ جدید کی ضرورت نہیں، حالانکہ اس پر کسی بھی فقیہ کا عمل نہیں، چنانچہ امام ترمذیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ(۳) هذا حدیث لیس باسناده بأس ولٰکن لانعرف وجه الحدیث ولعلّه قدجاء هذا من قبل داؤد بن الحصین من قبل حفظه۔ یہاں پر امام ترمذیؒ نے ایک حدیث صحیح میں راوی کے وہم کے احتمال کو دوسرے دلائل کی وجہ سے راجح قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس حدیثِ ضعیف پر بعض اوقات دوسرے دلائل کی وجہ سے عمل کرلیا جاتا ہے، چنانچہ اسی باب میں امام ترمذیؒ نے عمرو بن شعیبؒ کی روایت نقل کی

---

(۱) ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شراب پیے اُسے کوڑے مارو اور اگر دوبارہ پیے تو چوتھی مرتبہ میں اُسے قتل کردو''

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر ابوالعاص بن ربیع کو چھ سال کے بعد نکاح اول سے لوٹا دیا، نیا نکاح نہیں کیا۔ (۳) اس حدیث کی سند میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ہم حدیث کی وجہ نہیں جانتے شاید یہ بات داؤد بن حصین کے حافظہ کی وجہ سے ہوئی ہے۔

ہے،(۱) عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده أن رسول الله صلی الله علیه وسلم ردّا بنته زینب علیٰ ابی العاص بن الربیع بمهر جدید ونکاح جدید. اس حدیث کے بارے میں امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:(۲) هذا حدیث فی اسناده مقال والعمل علیٰ هذا الحدیث عند اهل العلم الخ (ثم قال) وهو قول مالك بن انس والاوزاعی والشافعی واحمد واسحاق، کیااِن تمام ائمہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عامل بالحدیث الضعیف ہیں، ظاہر ہے کہ ان حضرات نے حدیث کو اس لئے اختیار کیا کہ دوسرے دلائل سے اُس کی تائید ہو رہی تھی۔

لہٰذا اگر امام ابوحنیفہؒ کسی مقام پر حدیثِ ضعیف کو دوسرے دلائل کی وجہ سے اختیار کریں تو وہ تنہا نشانۂ ملامت کیسے ہو سکتے ہیں، یہ بحث تفصیل کے ساتھ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کی کتاب ''انہاء السکن'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔ (درسِ ترمذی ۱/۸۴)



---

(۱) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی زینبؓ کو ابن العاص بن ربیع کو نئے مہر اور نئے نکاح کے ساتھ واپس کیا۔ (۲) اس حدیث کی سند میں گفتگو ہے۔ اور اہل علم کا اس حدیث پر عمل ہے، یہی امام مالک بن انس، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔

حدیث وفقہ اور غیر مقلدین

اہلِ حدیث حضرات کی تحریروں اور گفتگوؤں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ صحاحِ ستہ، خصوصاً بخاری ومسلم کو بہت اہمیت دیتے ہیں، اس سے نیچے اترنا در کنار، اس کے ہم پلّہ کسی دوسری کتاب کو ہاتھ بھی نہ لگاتے ہوں گے۔(۱) ایسا لگتا ہے کہ ان کے زیرِ مطالعہ ہمیشہ بخاری ومسلم، یا صحاحِ ستہ میں سے دیگر کتبِ حدیث ہی رہتی ہیں۔ وہ انہیں سے افادہ اور استفادہ کرتے ہیں۔

مگر حقیقت کیا ہے؟ آیئے! اُسے ایک اہلِ حدیث عالم ابوعبدالسلام عبدالرؤف بن عبدالحنان کی تصنیف کردہ کتاب ''القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول'' کی روشنی میں مصنف کے الفاظ میں ہی دیکھیں (۲)

اہلِ حدیث علماء کی پہونچ مشکوٰۃ اور بلوغ المرام تک

''القول المقبول'' کے مصنف، اہلِ حدیث حضرات کی معروف ومشہور کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' کے مؤلف کے متعلق ایک عنوان قائم کرتے ہیں:

''بعض احادیث کی تخریج میں کوتاہی''

اِس کے تحت لکھتے ہیں:

''انھوں نے صلوٰۃ الرسول کی تالیف میں زیادہ تر اعتماد مشکوٰۃ اور بلوغ المرام پر ہی

---

(۱) بشرطیکہ وہ کسی دوسری کتاب کو ان کے ہم پلہ سمجھتے بھی ہوں۔ ورنہ وہ صحاحِ ستہ کے ہم پلہ کسی کتاب کو مانتے ہی کہاں ہیں۔ اور اس معاملہ میں حد درجہ غلو کا شکار ہیں۔ (۲) ''القول المقبول'' کا جونسخہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ''مرکزی مکتبہ اہل حدیث صدر بازار مئو کا شائع کردہ ہے۔

کیا ہے۔" (القول المقبول ص ۱۶)

حالانکہ صلوٰۃ الرسول میں بخاری و مسلم، ابوداؤد و ترمذی وغیرہ کے جگہ جگہ حوالے موجود ہیں مگر "القول المقبول" کے اہلِ حدیث مصنف کا کہنا ہے کہ یہ حوالے بخاری و مسلم اور ابوداؤد و ترمذی دیکھے بغیر دیئے گئے ہیں۔ اور مشکوٰۃ و بلوغ المرام کے حوالوں کی بنیاد پر ہی یہ حوالے دیدیئے گئے ہیں۔

آگے بتاتے ہیں کہ یہ معاملہ صرف "صلوٰۃ الرسول" کا ہی نہیں ہے۔ اکثر اہلِ حدیث حضرات کا یہی طریقہ ہے۔

"یہ کمزوری صرف اِسی کتاب کی نہیں ہے، بلکہ ہماری اکثر کتابوں کا یہی المیہ ہے کہ ان میں تخریجِ حدیث کے لئے مشکوٰۃ، بلوغ المرام اور ترغیب وترہیب وغیرہ کے حوالے دیئے جاتے ہیں، جب کہ ان کی طرف کسی کتاب کو منسوب کرنا، اس حدیث کی تخریج نہیں ہے۔" (القول ص ۱۶)

پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"اکثر و بیشتر مشکوٰۃ وغیرہ کے حوالوں پر ہی اکتفاء کرلیا جاتا ہے۔" (ص ۱۷)

آگے ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

"مگر ہمارا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہمارے یہاں عموماً مشکوٰۃ، بلوغ المرام، ترغیب وترہیب وغیرہ کے حوالے دیئے جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ مثلاً حدیث تو المنتقیٰ لابی البرکات ابن تیمیة میں ہوگی۔ مگر حوالہ دیتے وقت نیل الاوطار کا حوالہ دیا جاتا ہے۔" (ص ۱۷)

آگے مزید لکھتے ہیں:

"ہمیں اپنی کمزوری کو کمزوری سمجھ کر دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، تاکہ

ایسا نہ ہو کہ ہم دوسروں کے لئے باعثِ تضحیک وتعجب بنے رہیں۔ علمائے عرب کو جب ہماری اس کمزوری کا علم ہوتا ہے تو وہ اس پر انتہائی تعجب کرتے ہیں۔" (ص ۱۷ و ۱۸)

اہلحدیث حضرات اصولِ حدیث سے ناواقف ہوتے ہیں

اہلحدیث علماء، حدیث کا نام تو بہت لیتے ہیں۔ مگر حدیث کے اصول سے ناواقف ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کہیں تو وہ حدیثِ مرسل کا مذاق اڑاتے ہیں، کہیں خود ہی اس سے استدلال کرتے ہیں۔

چنانچہ "القول المقبول" کے مصنف نے اپنے ایک عالم مولانا اسماعیل سلفی کے حوالے سے حدیثِ مرسل کا یوں مذاق اڑایا ہے:

"مولانا فرماتے ہیں کہ علمائے عراق نے یہ فخریہ کہا ہے کہ ہم مرسل کو بھی حجت سمجھتے ہیں۔ شامی نے ابوابِ وصیت میں فرمایا ہے کہ اگر کوئی آدمی اہلِ حدیث کے نام پر کوئی چیز وقف کرتا ہے تو یہ وصیت حنفی طالب علموں کو بھی شامل ہوگی، کیوں کہ یہ مرسل کو بھی حجت مانتے ہیں۔" (درمختار ۳/۵۶۵)

شامی کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے مولانا فرماتے ہیں:

"کل ممکن ہے کوئی عالم زور بیان میں یہ فرمادیں کہ اصل اہل حدیث ہم ہیں، کیوں کہ ہم موضوع احادیث کو بھی مانتے ہیں، تو ہم ان بزرگوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔"

(القول المقبول ص ۳۵ بحوالہ مقدمہ حسن البیان ص ۲)

غور کیجئے! یہاں مرسل احادیث کے مقابلے میں موضوع احادیث کو کتنی بیباکی کے ساتھ لایا گیا ہے۔ جب کہ مرسل احادیث کو کسی نے بھی موضوع کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ مرسل حدیثوں کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے باب میں محدثین اور ائمہ مجتہدین مختلف

الرائے ہیں، (۱) جب کہ موضوع احادیث، بالاتفاق مردود اور ناقابلِ استدلال ہیں۔ یہ تو حدیث مرسل کا مذاق اڑانے کی بات ہوئی۔ اب آیئے! دیکھئے! کہ اپنے مطلب کے لئے مرسل حدیث کو ''حسن ہے'' (۲) کہہ کر کتنے بلند آہنگ طریقہ سے پیش کیا جا رہا ہے۔

یہی ''القول المقبول'' کے مصنف مراسیلِ ابوداؤد کی ایک مرسل روایت جو اُن کے مفیدِ مطلب ہے، پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سلیمان بن موسیٰ کی وجہ سے اس کی سند حسن درجہ کی ہے، یہ روایت اگرچہ مرسل ہے، مگر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے لئے بہترین شاہد ہے۔'' (القول ص ۳۴۰)

وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی کونسی روایت؟ جس کے لئے اس مرسل کو بہترین شاہد قرار دیا جا رہا ہے؟ وہ جس کے بارے میں چند سطور قبل خود ہی لکھ چکے ہیں کہ ''یہ سند ضعیف ہے''۔ (ص ۳۴۰)

اور یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ ''.........وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسری سند بھی ہے مگر یہ سند بھی ضعیف ہے۔'' حوالہ مذکورہ (۳)

ضعیف حدیث بھی قابلِ عمل ہوتی ہے، اہلحدیث علماء کا اقرار

اصولِ حدیث سے ناواقفیت کا ہی نتیجہ ہے کہ کہاں تو یہ حضرات ضعیف حدیثوں کے نام پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور اُنھیں اس طرح رد کرتے ہیں جیسے ضعیف حدیث، موضوع سے کم نہ ہو بلکہ شاید اس سے بھی گئی گزری ہو۔ شدت کا یہ عالم ہے کہ احناف کی قوی احادیث کو زبردستی ضعیف ثابت کرنے پر تلے رہتے ہیں، مگر اپنے مطلب کے لئے

(۱) الحدیث المرسل بین القبول والرد اول وثانی تالیف حفصہ بنت عبدالعزیز الصغیر مطبوعہ دارالاندلس۔ جدہ سعودی عرب۔
(۲) دیکھئے القول المقبول حدیث نمبر ۲۶۱ ص ۳۴۰۔ (۳) حضرت وائل بن حجرؓ کی جس روایت کے ضعیف ہونے کا اس اہل حدیث مصنف نے اقرار کیا ہے وہ نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے متعلق ہے۔ ملاحظہ کیجئے ''القول المقبول'' کا مذکورہ صفحہ۔

اپنی ضعیف احادیث کو بھی قوی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں کوئی صورت نہیں بن پاتی وہاں ضعیف پر ہی عمل کو جائز بلکہ اولیٰ اور بہتر قرار دینے لگتے ہیں۔

لیجئے! ضعیف احادیث کے قابل عمل ہونے کا تحریری اعتراف ملاحظہ کیجئے:

''یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے، لیکن اس میں مذکور مسئلہ صحیح ہے''۔

(نماز نبوی (۱) ص ۱۴۳)

''یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے لیکن اس کے متابعات ہیں........جن سے اس حدیث کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔'' (کتاب مذکور ص ۱۴۷)

یہ حوالے بطور نمونہ ہیں، ورنہ اس طرح کے حوالوں کا ڈھیر لگایا جا سکتا ہے۔

اہلحدیث علماء کو اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ پڑھنا چاہئے

اِنھیں حالات کا نتیجہ ہے کہ بعض غیر مقلد علماء کو شدت سے احساس ہے کہ اُن کے ہم مسلک علماءِ اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے تضادات کا شکار ہوتے ہیں۔

اہلحدیث علماء، احادیث سے استدلال کرنے اور مسئلہ کی تہ تک پہنچنے میں کس طرح غچّہ کھاتے ہیں، اس پر ایک اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالباری فتح اللہ مدنی نے شیخ البانی ؒ کی کتاب صفۃ صلوٰۃ النبیؐ کے اردو ترجمہ میں ص ۵۱ تا ص ۵۵ تفصیلی گفتگو کی ہے۔ (۲)

اس گفتگو کے دوران اپنے ہی ہم مسلک ایک عالم پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سبحان اللہ! تناقض اور علمی بحران کی یہ عجیب مثال ہے، کوئی شے جب ''سنتِ

---

(۱) مصنف ہیں مولانا احسن جمیل عبدالبصیر سلفی، شائع کردہ مکتبہ ترجمان، دہلی۔ (۲) یہ ترجمہ اہل حدیث تعلیمی ورفاہی سوسائٹی دریا آباد دودھارا سنت کبیر نگر (یوپی) کا شائع کردہ ہے۔

رسول ہی'' ٹھہری تو پھر فرض کیسے ہوئی؟''

اس کے چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

''اسی لئے میں اپنے ملنے والوں سے یہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ اپنے مدارس میں اصولِ حدیث اور اصولِ فقہ پر کافی زور دیں تا کہ دینی مصطلحات کے سمجھنے اور ان کے معانی ومقاصد کی تعیین میں طلبہ کو کوئی پریشانی لاحق نہ ہو۔'' (کتاب مذکور ص ۵۳)

استدراک ـــــ شامی کی طرف منسوب مسئلہ کی نوعیت

گذشتہ سطور میں حدیثِ مرسل پر گفتگو کے ضمن میں ایک سلفی عالم کی طرف سے شامی کے ایک مسئلہ کا حوالہ آیا تھا۔ ہم نے شامی کا یہ حوالہ تلاش کیا تو درج ذیل باتیں سامنے آئیں:

۱- شامی میں ''ابواب وصیت'' یا ''باب وصیت'' کے نام سے کوئی باب نہیں ہے۔

۲- یہ مسئلہ درمختار میں ہے نہ کہ شامی میں۔ شامی کا نام ردالمحتار ہے، جو کہ درمختار کی شرح ہے۔ درمختار میں یہ مسئلہ کتابُ الوقف میں آیا ہے۔

۳- ایسا لگتا ہے کہ سلفی مولانا نے بغیر اصل کتاب دیکھے، محض کسی سے سن کر اعتراض کر دیا۔ یا یوں کہئے کہ جواب دینے کا شوق پورا کیا۔ اسی لئے حوالہ بھی صحیح نہ دے سکے اور بات بھی ادھوری نقل کی۔ بلکہ کتر بیونت بھی کی۔

لیجئے! پہلے درمختار کی عبارت دیکھئے:

وقف علی اصحاب الحدیث لایدخل فیه الشافعی اذالم یکن فی طلب الحدیث ویدخل الحنفی کان فی طلبه اولا بزازیة أی لکونه یعمل بالمرسل ویقدم خبر الواحد	اگر اصحابِ حدیث پر وقف کیا تو اس میں وہ شافعی المسلک داخل نہ ہوگا جو طلبِ حدیث میں نہ مصروف ہو، اور حنفی داخل ہوگا، خواہ طلبِ حدیث میں مصروف ہو یا نہ ہو۔ بزازیہ۔ (صاحبِ درمختار کہتے

علی القیاس. | ہیں) اس کی وجہ یہ ہے کہ حنفی حدیثِ مرسل پر بھی عمل کرتا ہے، اور خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم رکھتا ہے۔

غور کیجئے! یہاں آج کل کے غیر مقلد اہل حدیثوں کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ بات حنفی اور شافعی کی ہے اور دونوں ہی مقلدین میں سے ہیں نہ کہ غیر مقلدین میں سے، لہٰذا اصلی اور نقلی اہلحدیث کا سوال ہی اٹھ جاتا ہے۔

یہاں بتایا یہ جارہا ہے کہ احادیث پر عمل کرنے کے معاملہ میں حنفی المسلک، شافعی المسلک سے بڑھ کر ہوتا ہے، کیوں کہ شوافع، حدیثِ مرسل پر عمل نہیں کرتے، اسی طرح خبرِ واحد پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں، جب کہ حنفی، حدیثِ مرسل پر بھی عمل کرتا ہے اور خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم رکھتا ہے، یعنی خبرِ واحد کے مقابلے میں قیاس کو ترک کردیتا ہے۔

گویا حنفی کو مذکورہ وقف میں شامل کرنے کی دو وجہیں بیان کی گئیں۔ ایک حدیثِ مرسل پر عمل کرنا، دوسرے خبرِ واحد کو قیاس پر مقدم رکھنا، لیکن سلفی عالم کی بددیانتی دیکھئے کہ پہلی بات نقل کی، دوسری بات حذف کردی۔

اِس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ صاف ظاہر ہے، غیر مقلدین، احناف کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ لوگ حدیث کے مقابلے میں قیاس پر عمل کرتے ہیں، جب کہ مذکورہ عبارت اُن کے پروپیگنڈہ کے خلاف شہادت دے رہی ہے۔ احناف کا مسلک یہی ہے کہ خبرِ واحد جو کہ اصطلاحِ حدیث میں حدیثِ غریب اور حدیثِ عزیز کہلاتی ہے، قیاس پر مقدم ہوگی۔ خبرِ واحد پر عمل کیا جائے گا۔ قیاس کو چھوڑ دیا جائے گا، اس کے برخلاف، شوافع، خبرِ واحد پر قیاس کو مقدم رکھتے ہیں، اصولِ فقہ کی کتابوں میں یہ سارے

مباحث مفصل موجود ہیں۔

یہ تو رہی درمختار کی عبارت اور اس کا مطلب، اب اس کی جو شرح علامہ ابن عابدین شامیؒ نے کی ہے وہ ملاحظہ کریں:

قلت ووجهه انه عمل بكل الأحاديث حيث لم يترك العمل بهٰذين فصار أحق باطلاق هٰذا اللفظ عليه والظاهر أن هٰذا عند عدم العرف اما اذا تعورف اطلاقه علىٰ من غلب عليه هٰذا العلم حتى اشتهر به وصار يطلق عليه أنه من أهل الحديث تعين حمله علىٰ عرف الواقف.(۱)

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ حنفی نے ساری احادیث پر عمل کیا، کیوں کہ اس نے اُن دونوں حدیثوں (مرسل وخبرِ واحد) پر عمل ترک نہیں کیا، لہٰذا وہ زیادہ حقدار ہے کہ اِس لفظ کا اطلاق اس پر کیا جائے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ اُس وقت ہوگا جب عرف نہ ہو۔ اور جب اُس کا اطلاق اُن لوگوں کے لئے متعارف ہو چکا ہو جن پر یہ علم (یعنی علمِ حدیث) غالب ہو، یہاں تک کہ وہ اس کے ساتھ مشہور ہو گئے ہوں اور صورتِ حال یہ ہو گئی ہو کہ اہلِ حدیث کا اطلاق اُنھیں پر ہوتا ہو تو واقف کے عرف کے مطابق اس لفظ کو محمول کرنا متعین ہو گیا۔

اِس سے پتہ چلا کہ درمختار کی عبارت اُس صورت پر محمول تھی جب اصحابِ حدیث اور اہلِ حدیث کے سلسلے میں کوئی عرف نہ ہو۔ لیکن اگر عرف میں اس کا مصداق متعین ہو تو عرف پر عمل کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں، علامہ شامیؒ کے یہ جملے ''جن پر یہ علم غالب ہو، جو اس کے ساتھ

---

(۱) درمختار مع ردالمحتار ۳/۲۷۱۔ شائع کردہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان۔

مشہور ہوگئے ہوں''۔ بتاتے ہیں کہ یہاں اصحاب حدیث اور اہلِ حدیث سے حدیث کے پڑھنے پڑھانے والے یعنی محدثین مراد ہیں۔ نہ کہ آج کا فرقۂ اہل حدیث، جس میں عالم وجاہل، سبھی ہوتے ہیں، جن میں کے اکثر لفظ ''حدیث'' کے ترجمہ اور مفہوم تک سے واقف نہیں ہوتے۔

یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ جہاں کا عرف یہ ہو کہ ''اصحابِ حدیث'' اور اہلِ حدیث سے مرادِ علمِ حدیث میں مشغول افراد ہوتے ہوں، وہ خواہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہوں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی یہاں تک کہ غیر مقلد محدث ہوں، وہ بھی اس میں داخل رہیں گے۔

بلکہ اگر وقف کرنے والا غیر مقلد ہو اور اس کے یہاں کا عرف یہ ہو کہ ''اہل حدیث'' سے صرف غیر مقلد فرقہ مراد ہوتا ہو، تو اُس صورت میں اہلِ حدیث سے غیر مقلدین مراد ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ اگر اصحابِ حدیث اور اہلِ حدیث کے سلسلے میں کوئی عرف نہ ہو تو اس وقف کے سلسلے میں مسئلہ کی نوعیت وہ ہوگی جو درمختار میں مذکور ہے۔ اور اگر کوئی عرف ہو تو عرف کے مطابق عمل کیا جائے گا جیسا علامہ شامیؒ نے وضاحت کی ہے۔

جو شخص خالی الذہن ہو کر درمختار اور ردالمحتار کی مذکورہ بالا عبارات دیکھے گا، اُسے صاف سمجھ میں آجائے گا کہ یہ وقف کے سلسلے کے ایک مسئلہ کی تحقیق اور صحیح مصداق کو متعین کر کے مسئلہ کی اصل نوعیت کو واضح کرنے کی قابلِ قدر کوشش ہے، لیکن جو پہلے سے خار کھائے بیٹھا ہو، اُسے یہ عبارت اُسی طرح قابلِ اعتراض نظر آئے گی جیسے سلفی مولانا صاحب کو نظر آئی۔



امام بخاریؒ وامام مسلمؒ وغیرہ

امام ابوحنیفہؒ کے بعد کے لوگ ہیں

بہت سے لوگ اِس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ امام بخاریؒ ،امام مسلمؒ ، امام ترمذیؒ وغیرہ امام اعظم ابوحنیفہؒ سے بڑے عالم ہیں، یا یہ کہ یہ حضرات امام ابوحنیفہؒ سے پہلے کے، یا اُن کے ہم زمانہ لوگ ہیں۔

حالانکہ ان حضرات کا حال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے بڑے یا ان کے ہم زمانہ کیا ہوتے ،امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے بہت عرصہ کے بعد ان کی پیدائش ہوئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی ولادت ہوئی ہے ۸۰ھ میں اور وفات ہوئی ہے ۱۵۰ھ میں۔

امام بخاریؒ کی ولادت ہوئی ہے ۱۹۴ھ میں یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۴۴ سال بعد۔

امام مسلمؒ پیدا ہوئے ۲۰۴ھ میں یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۵۴ سال بعد۔

امام ابوداؤد پیدا ہوئے ۲۰۲ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۵۲ سال بعد۔

امام ترمذی پیدا ہوئے ۲۰۱ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۵۱ سال بعد۔

امام نسائی پیدا ہوئے ۲۱۵ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۶۵ سال بعد۔

امام ابن ماجہ پیدا ہوئے ۲۰۹ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۵۹ سال بعد۔

یہ تو تھا صحاح ستہ کے مؤلفین کا حال۔ اب کچھ دیگر محدثین کا حال دیکھئے !

امام دارمیؒ پیدا ہوئے ۱۸۱ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۳۱ سال بعد۔

امام دارقطنیؒ پیدا ہوئے ۳۰۶ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۱۵۶ سال بعد۔

امام بیہقی پیدا ہوئے ۳۸۴ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۲۳۴ سال بعد۔
امام احمد بن حنبلؒ پیدا ہوئے ۱۶۴ھ میں، یعنی امام ابوحنیفہؒ کی وفات کے ۱۴ سال بعد۔
اور یہ سب کے سب، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں، تفصیل آگے آرہی ہے۔

اکثر بڑے محدثین امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں

جو شخص محدثین کے حالات کا مطالعہ کرے گا وہ دیکھے گا کہ تقریباً تمام بڑے بڑے محدثین، یا تو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

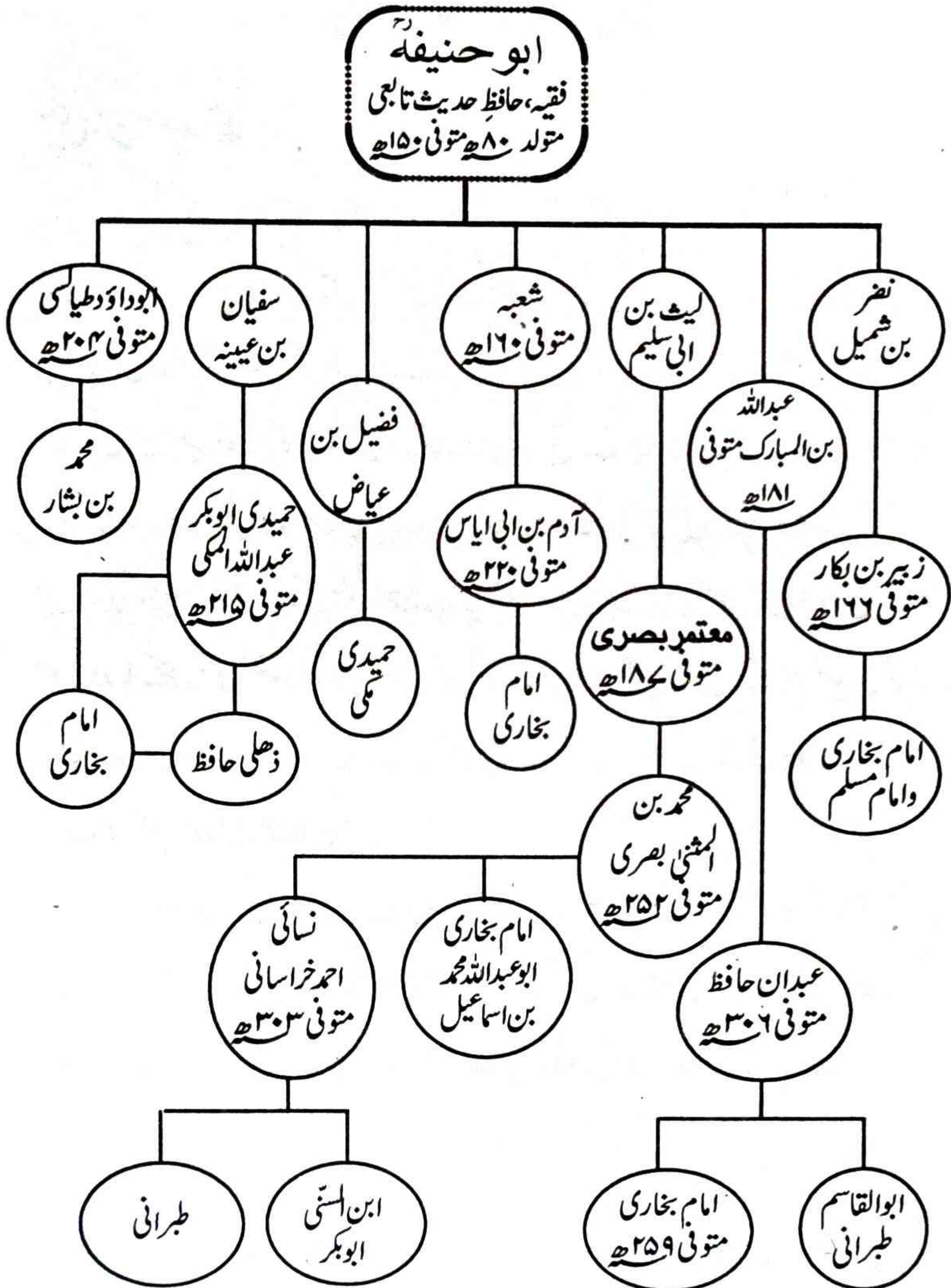
امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام ابن ماجہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، دارمیؒ، طبرانیؒ، بیہقیؒ، دارقطنیؒ، حاکمؒ وغیرہ کا یہی حال ہے۔

دیکھئے تلامذۂ امام ابوحنیفہؒ کا یہ نقشہ ! (۱)

---

(۱) یہ کل پندرہ نقشے ہیں جو بطور نمونہ دکھائے گئے ہیں، ورنہ امام صاحبؒ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے، اُن کے علاوہ بھی بہت سے نقشے دکھائے جاسکتے ہیں۔ یہ سارے نقشہ جات اور یہاں سے صفحہ ۱۷۵ تک کی عبارات ومضامین مولانا حافظ شاہ عبدالاول صاحب جونپوریؒ کی تصنیف کتاب الحنفاء فی ذکر الضعف والضعفاء کے مختلف مقامات سے ماخوذ ہیں، ہمارے سامنے اس کتاب کا پہلا اڈیشن ہے جو آسی پریس محمود نگر لکھنؤ سے ۱۳۳۵ھ میں چھپا تھا، یہ کتاب $\frac{20\times26}{8}$ کے ۵۲ صفحات پر مشتمل ہے، اور سرِ ورق پر لکھا ہوا ہے کہ صرف دو ہفتوں میں تیار ہوئی ہے۔

نقشۂ تلامذۂ ابوحنیفہؒ



امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق فتویٰ دینے والے

چند اکابر محدثین

یحییٰ بن سعید قطانؒ

یحییٰ بن سعید القطان محدث کے بارے میں حضرت یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا کہ وہ بیس برس تک برابر ہر شب میں قرآن پاک کا ایک ختم کیا کرتے تھے۔ یحییٰ بن سعید قطانؒ ۱۲۰ھ میں عالم خلق میں تشریف لائے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ میں نے اپنی آنکھ سے یحییٰ بن سعید قطان کا ایسا نہیں دیکھا۔ ابن مدینیؒ نے کہا ہے کہ میں نے کسی کو یحییٰ سے بڑھ کر اسمائے رجال کا عالم نہیں پایا۔ بُندار محدث نے کہا کہ یحییٰ اپنے زمانہ کے امام ہیں یحییٰ ابن معین نے فرمایا، کہ یحییٰ القطان چالیس برس تک برابر مسجد میں زوال کے پیشتر موجود رہا کیے۔ کبھی حضوری قبلِ زوال میں فتور نہ پڑا۔ نہ کبھی زوال کے بعد ظہر کی نماز کے لئے مسجد میں آئے، امام نسائی نے کہا کہ اللہ کے امین، رسول اللہ کی حدیث کے امام، مالک اور شعبہ اور یحییٰ القطان ہیں۔

وفات یحییٰ القطّان کی ۱۹۸ھ میں بماہ صفر ہے۔ (تذکرہ الحفاظ ذہبی)

فقیر کہتا ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان ابوحنیفہؒ کے قول سے فتویٰ دیا کرتے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ میں ہے وکان یحییٰ القطان یفتی بقول ابی حنیفة ایضاً۔

وکیع بن جراحؒ

امام حافظ محدثِ عراق کوفی ۱۲۹ھ میں پیدا ہوئے، اور اکابر حفاظ سے فن حدیث

حاصل کیا اور وکیع سے عبداللہ بن مبارک اور امام احمد اور علی بن المدینی محدث اور یحییٰ بن اکثم اور اسحٰقؒ بن راہویہ اور ابن ابی شیبہؒ اور ابن معینؒ اور احمدؒ بن ابی یسع وغیرہ نے حدیث پڑھی۔ قاضی یحییٰ بن اکثم نے کہا کہ وکیع ہمیشہ روزے رکھا کرتے تھے اور ہر شب میں ایک ختم کلام مجید کا پڑھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ وکیعؒ سے بڑھ کر جامعِ علم اور قوی الحافظہ میں نے نہیں دیکھا، یحییٰ بن معین رفیق امام احمدؒ نے فرمایا کہ وکیع سے بڑھ کر افضل میں نے نہیں دیکھا وہ رات بھر نماز پڑھتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے اور ابو حنیفہؒ کے قول سے فتویٰ دیا کرتے تھے اور امام احمد نے فرمایا کہ وکیع کا ایسا میری آنکھ نے کبھی نہیں دیکھا کہ حدیث کے بھی حافظ تھے اور فقیہ بھی تھے، ورع اور اجتہاد کے ساتھ یہ دونوں میں اچھی مہارت رکھتے تھے اور کسی کی بُرائی نہیں کرتے تھے۔ وفات وکیع کی ۱۹۷ھ میں ہے،

(تذکرۃ الحفاظ، فوائد بہیہ)

وکیعؒ نے ابو حنیفہؒ سے حدیث پڑھی ہے اور ابو حنیفہؒ کے قول سے فتویٰ دیتے تھے۔ جیسا کہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صفحہ ۲۸۰ پر وکیع کے حال میں نقل کیا ہے۔

ویفتی بقول ابی حنیفة۔

واضح ہو کہ وکیع نے علم ابو حنیفہؒ سے حاصل کیا اور حدیث ابو یوسفؒ اور زفرؒ سے پڑھی تھی (۱)

---

(۱) واضح رہے کہ وکیع امام شافعی کے استاذ ہیں، امام شافعیؒ کے یہ مشہور اشعار انہیں وکیعؒ کے متعلق ہیں۔

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی ۔۔۔ فأوصانی الیٰ ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰهی ۔۔۔ ونور اللہ لایعطیٰ لعاصی

ترجمہ: میں وکیع سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی، تو انھوں نے مجھے معاصی کے ترک کرنے کی وصیت کی، کیوں کہ علم دین اللہ کا نور ہے، اور اللہ کا نور گنہ گاروں کو نہیں ملتا۔

اب یہ نقشہ دیکھئے !

ابو حنیفہؒ
فقیہ، حافظِ حدیث تابعی
متولد ۸۰ھ متوفی ۱۵۰ھ

امام زفرؒ

ابو یوسف
قاضی

وکیع
بن الجراح
متوفی ۱۹۷ھ

یحییٰ
بن زکریا

ابوبکر بن
ابی شیبہ

بغوی
احمد بن منیع

امام بخاری

امام احمد بن
حنبلؒ مروزی

یحییٰ بن
معین

اسحاق بن
راہویہ

یحییٰ
بن اکثم

ابن
المبارک

امام احمد
بن حنبلؒ

ابوبکر بن
ابی شیبہ

بغوی
احمد بن منیع

امام
بخاری

یحییٰ
بن معین

علی بن
المدینی

ابویعلی
موصلی

امام
بخاری

بغوی احمد
بن منیع ابو جعفر بغدادی
متوفی ۲۴۴ھ

ابوداؤد

ابن خزیمہ
متوفی ۳۱۱ھ

امام
بخاری

یزید بن ہارونؒ

یزید بن ہارون شیخ الاسلام حافظ حدیث ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، انھوں نے عاصم احول اور یحییٰ بن سعید اور سلیمان تیمی اور ابوحنیفہؒ سے فنِ حدیث حاصل کیا اور اِن سے امام احمد اور ابن المدینی اور ابوبکر بن ابی شیبہ اور عبد بن حمید وغیرہ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ)

مناقب: ابن مدینیؒ نے کہا کہ میں نے یزید بن ہارونؒ سے بڑھ کر قوی الحافظہ کسی کو نہیں دیکھا اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ یزید مضبوط حافظِ حدیث تھے، ابن ابی شیبہ نے کہا کہ میں نے یزید کا ایسا مضبوط حافظہ کسی کا نہیں دیکھا۔ ابن حاتم نے کہا کہ یزید ثقہ امام ہیں، ان کا کیا پوچھنا۔ ۲۰۶ھ میں یزید کا وصال ہوا۔ ان کو چوبیس ہزار حدیثیں مع اسناد کے یاد تھیں۔ انھوں نے ابوحنیفہؒ سے بھی حدیث پڑھی تھی۔ یہ نقشہ ملاحظہ کیجئے!

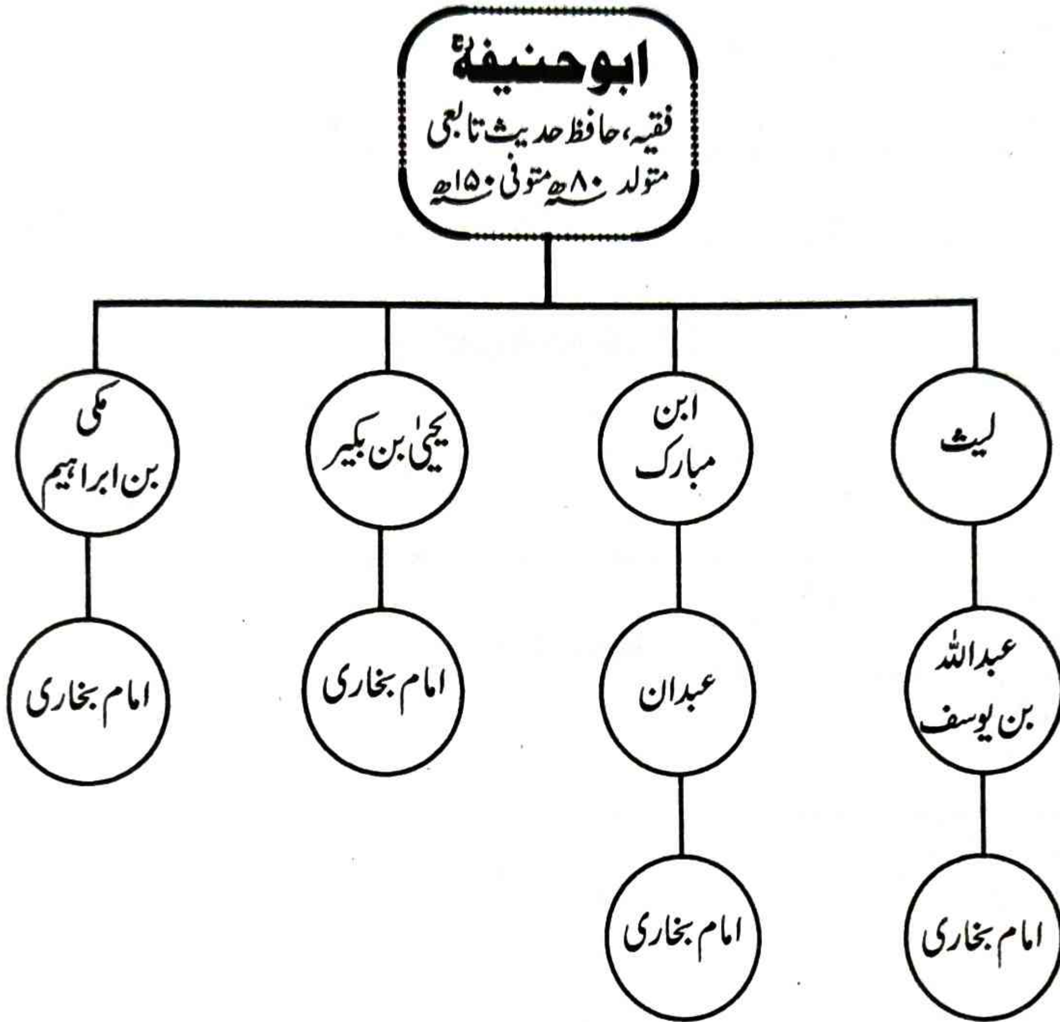
ابوحنیفہؒ
فقیہ، حافظ حدیث تابعی
متولد ۸۰ھ متوفی ۱۵۰ھ

علی بن المدینی — یزید بن ہارون — **ابونعیم** فضل بن دکین حافظ — ابویوسف — امام احمد بن حنبلؒ

ابن المبارک
امام احمد — ابوداؤد، امام مسلم
اسحاق بن راہویہ — ابن خزیمہ ابوبکر محمد
ابن معین — ابویعلیٰ موصلی
حافظ دہلی — امام بخاری
امام بخاری — ابوعیسیٰ ترمذی
دارمی

شاگردان ابوحنیفہؒ کے مزید نقشے

شاگردانِ ابوحنیفہؒ کا یہ نقشہ بھی دیکھئے!



اور یہ نقشہ بھی دیکھئے !

ابو حنیفہ رح
متوفی ۱۵۰ھ

ابو یوسف قاضی القضاۃ
وکیع بن الجراح
حفص بن غیاث متوفی ۱۹۴ھ
یحیٰی بن ابی زائدہ
عبداللہ بن المبارک متوفی ۱۸۱ھ

ابن معین
امام احمد
ابوبکر بن ابی شیبہ
امام بخاری
ابن خزیمہ
امام احمد بن حنبل بغدادی متوفی ۲۴۱ھ
امام مسلم
ابواحمد حاکم
ترمذی
دارقطنی ابوالحسن علی بغدادی

ابن ابی الدنیا بغدادی
ابوزرعہ متوفی ۲۸۱ھ
بغوی ابوالقاسم
ابوداود
حاکم ابوعبداللہ

ابن خزیمہ احمد
طبرانی ابوالقاسم متوفی ۳۶۰ھ
ابوعبدالرحمٰن نسائی
بیہقی ابوبکر متوفی ۴۵۸ھ
ابونعیم حافظ اصفہانی

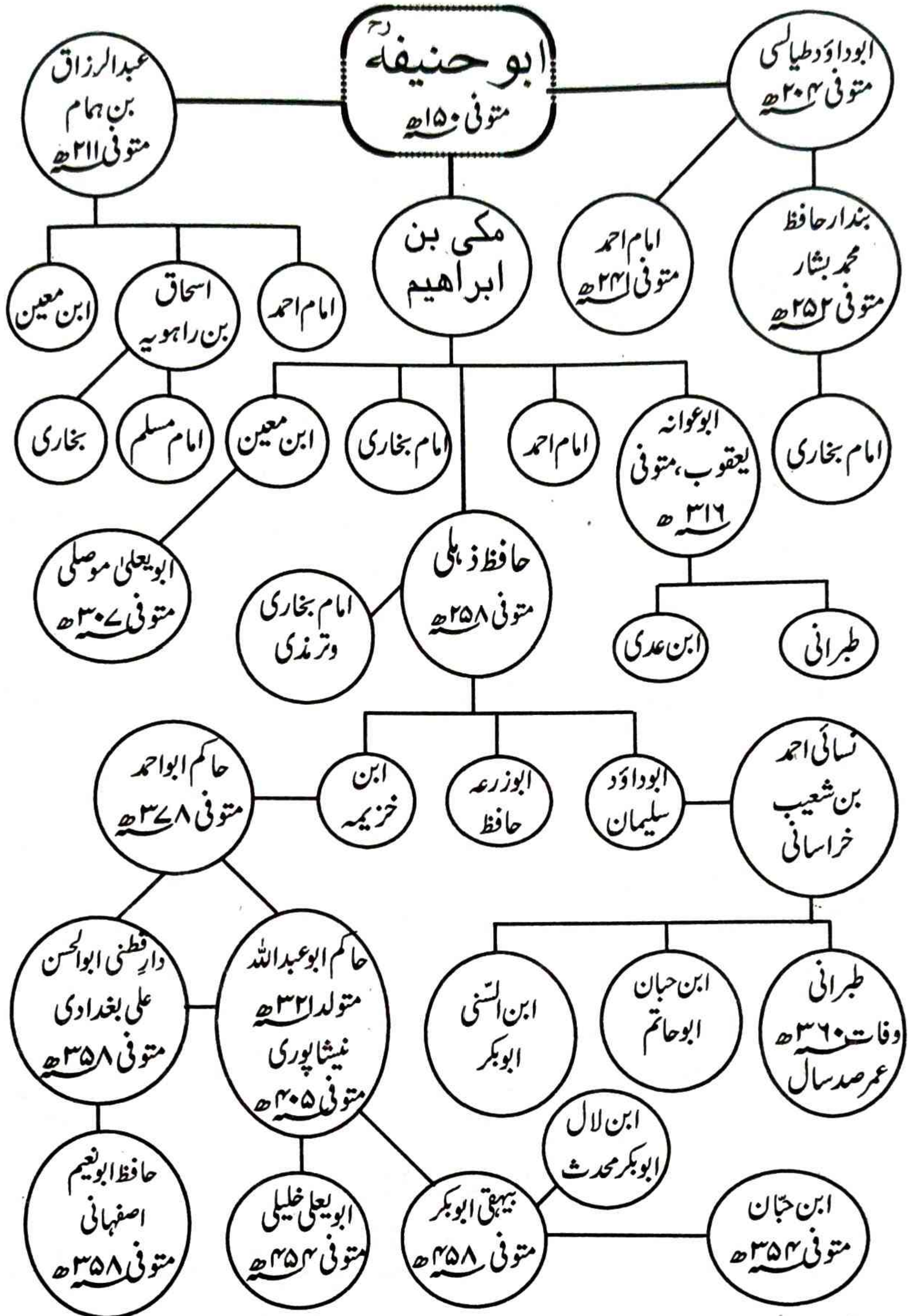
ابن مردویہ ابوبکر
ابونعیم حافظ متوفی ۴۳۰ھ
ابن السنی ابوبکر متوفی ۳۶۴ھ
ابن حبان
خطیب بغدادی ابوبکر احمد



یادداشت

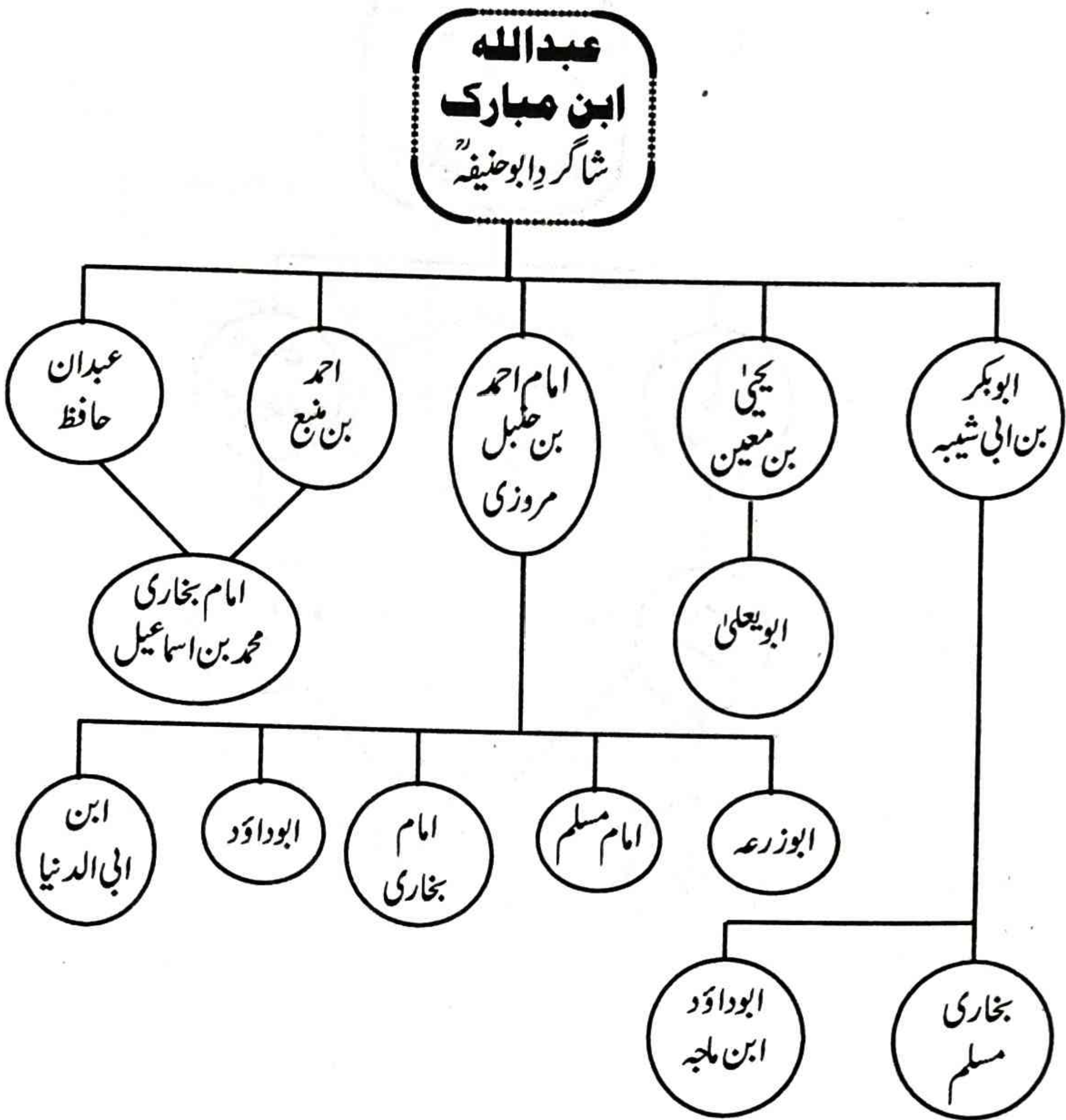
سبحان اللہ! سلسلۂ نعمانیہ میں تمام دنیا کے محدثین اور اُستاد الاساتذہ کیسے لٹکے اور جکڑے ہوئے نظر آتے ہیں، دنیا کے کسی محدث کا سلسلہ ان محدثین سے الگ نہیں ہوسکتا۔

یہ نقشہ بھی دیکھئے !



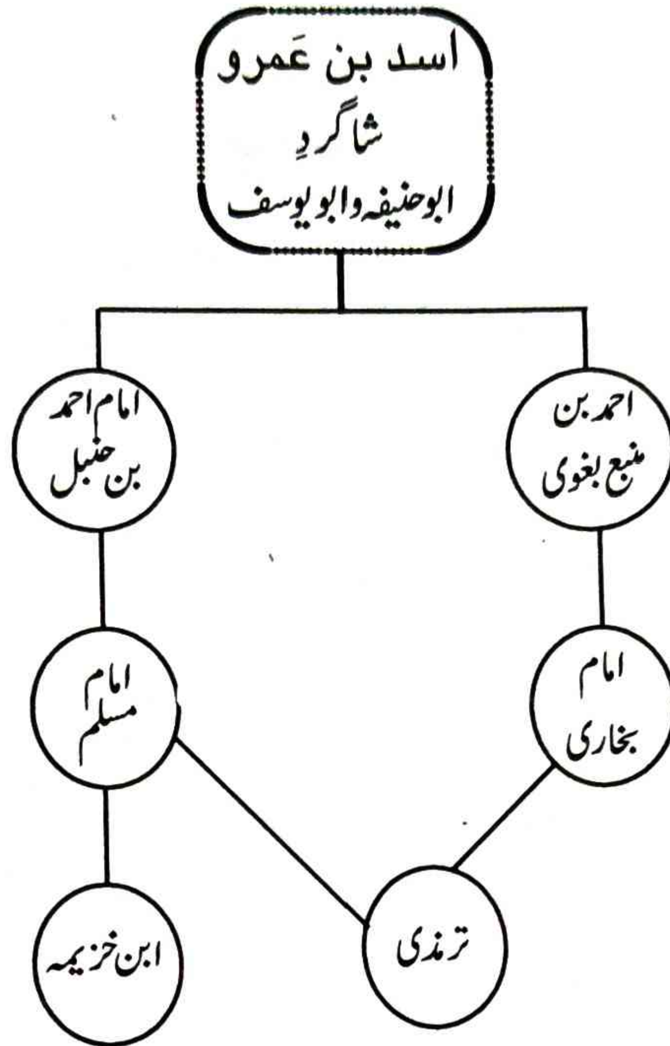
واضح ہو کہ نقشہ ہذا موافق تحریر تذکرۃ الحفاظ ذہبی و مناقب ابوالمؤید موفق الدین مکی متوفی ۵۶۸ھ مرتب ہوا ہے۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ جو کہ باتفاقِ محدثین، امام حدیث، امام عصر اور بہت بڑے عالم وزاہد مانے جاتے ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے خاص صحبت یافتہ اور شاگرد ہیں۔ دیکھئے نقشہ کہ عبداللہ بن مبارک کے واسطے سے کون کون لوگ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہوئے۔



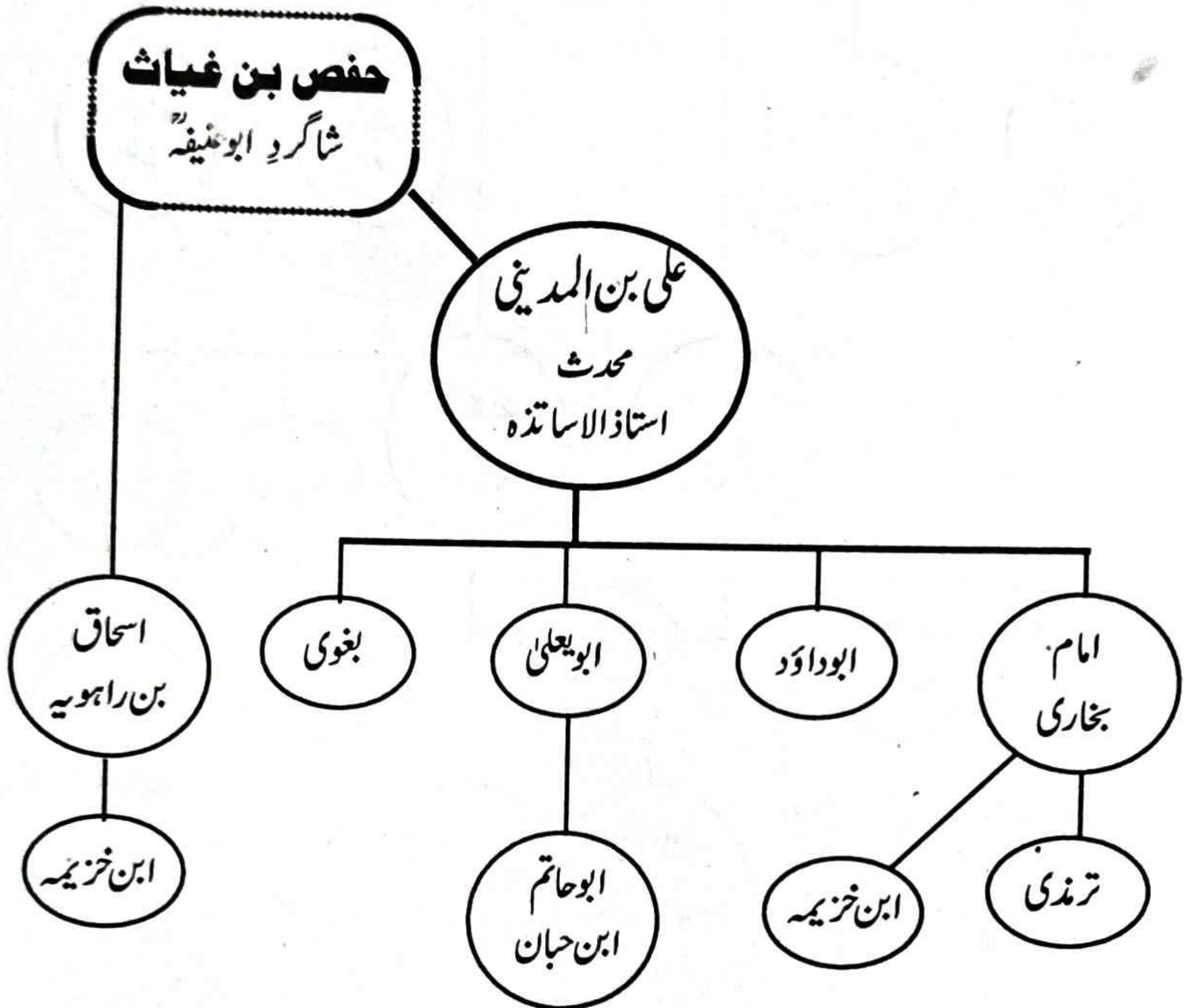
اسد بن عَمرو قاضی (متوفی ۱۸۸ھ) شاگردِ ابوحنیفہ ہیں، امام احمد بن حنبلؒ نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کے علاوہ محمد بن بکار اور احمد بن منیع نے بھی روایت کی ہے۔

اسد بن عمرو کے واسطہ سے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کا یہ نقشہ دیکھئے!

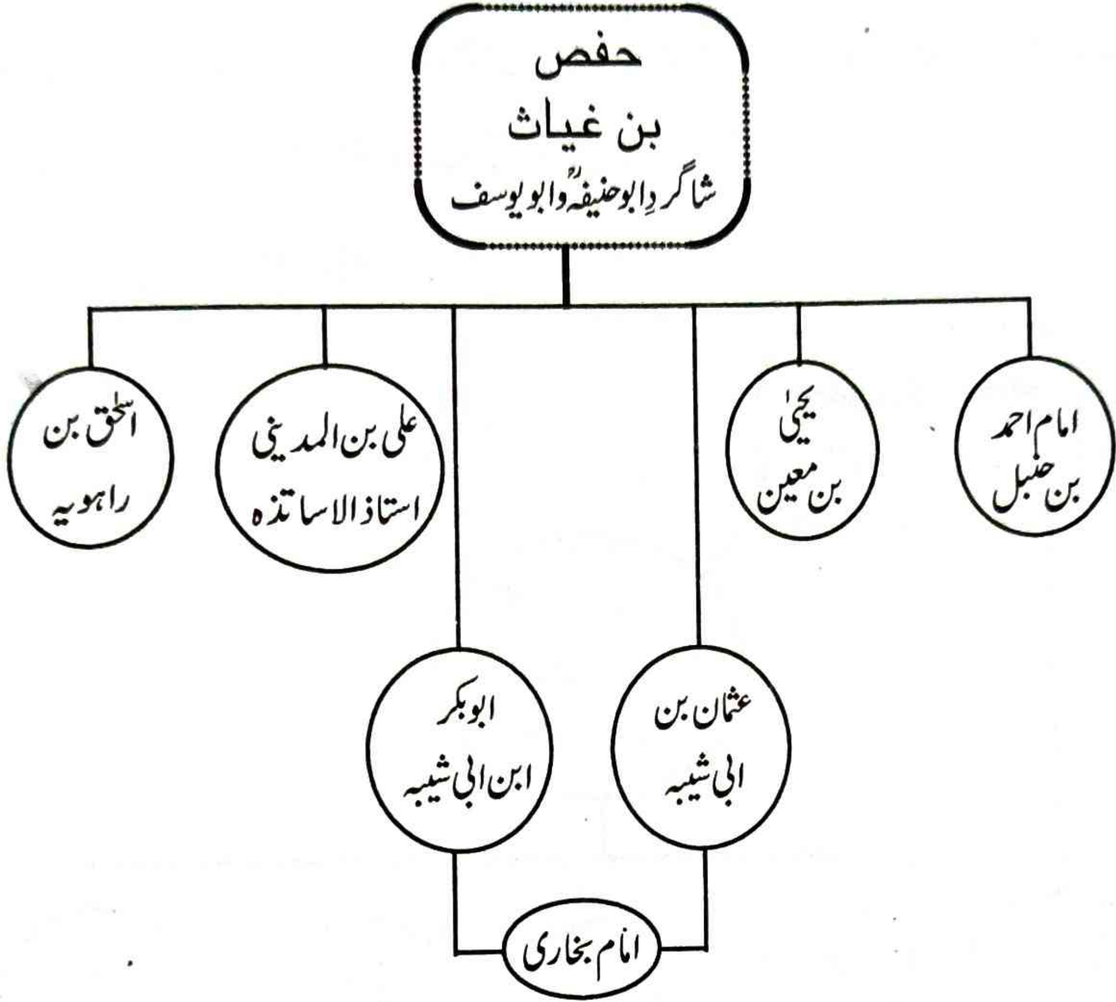


ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ حفص بن غیاث نخعی کوفیؒ، قاضیؒ بغداد وکوفہ ہیں، ان کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی اور وفات ۱۹۴ھ میں ہوئی۔ ان سے امام احمد، اسحاقؒ، علی بن مدینی، ابن معین اور ابوشیبہ کے دونوں بیٹوں ابوبکر اور عثمانؒ نے حدیث کی روایت کی ہے۔ جب کہ یہ خود امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔

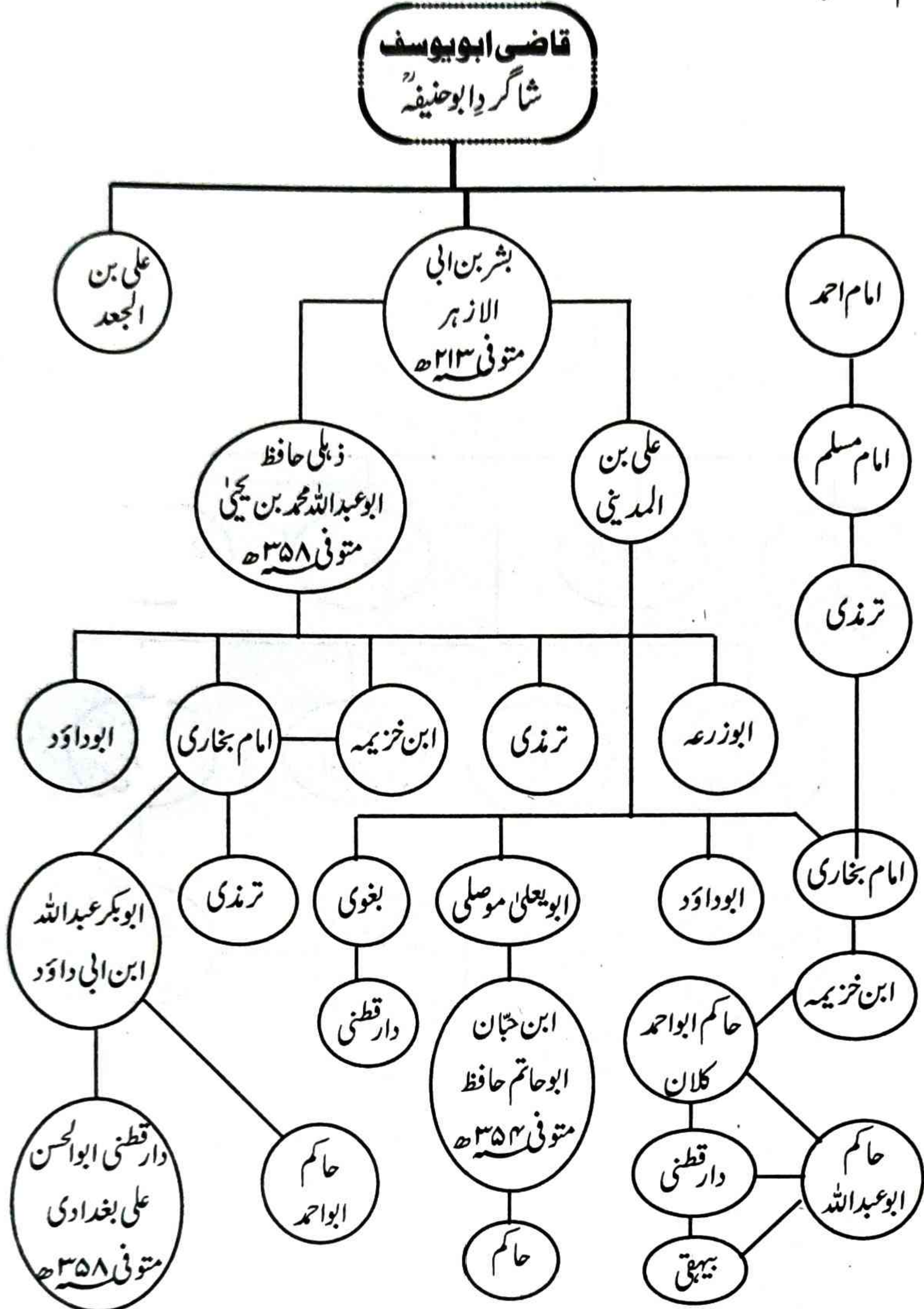
یہ نقشہ ملاحظہ کیجئے!



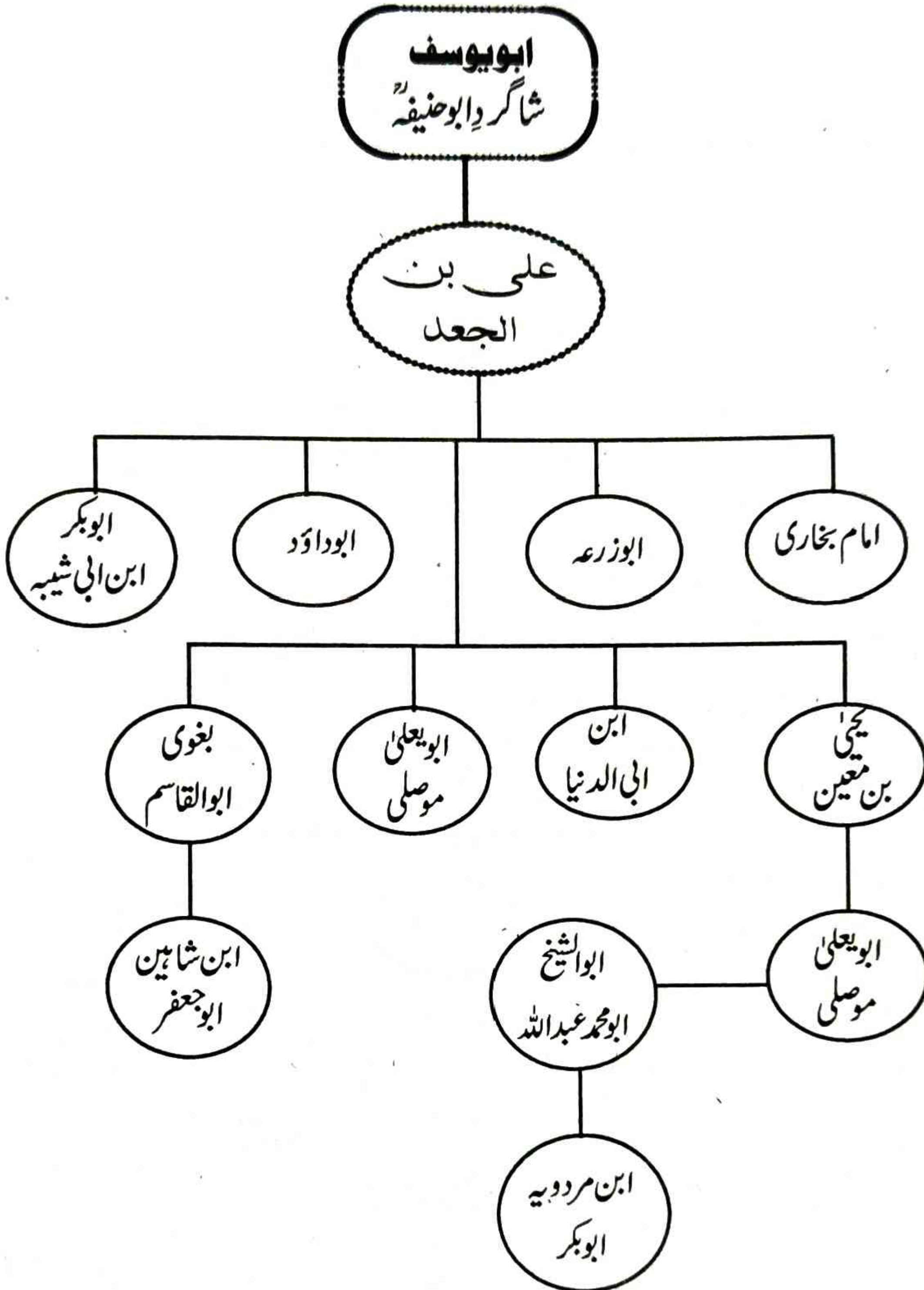
اور یہ نقشہ بھی ملاحظہ کیجئے !



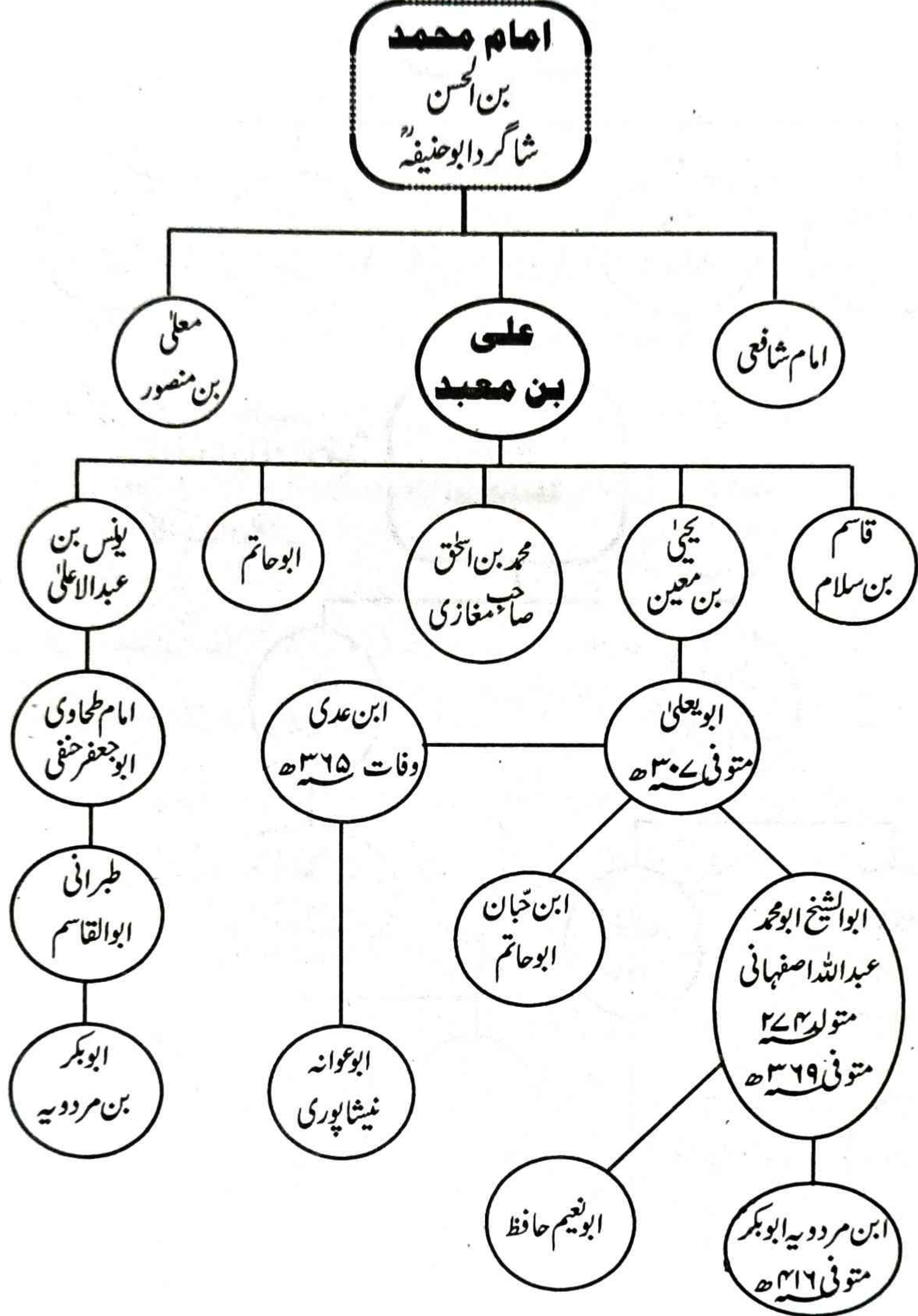
امام ابویوسفؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے جلیل القدر شاگرد ہیں، ان کے واسطے سے امام صاحب کے شاگردوں کا سلسلہ دیکھئے!



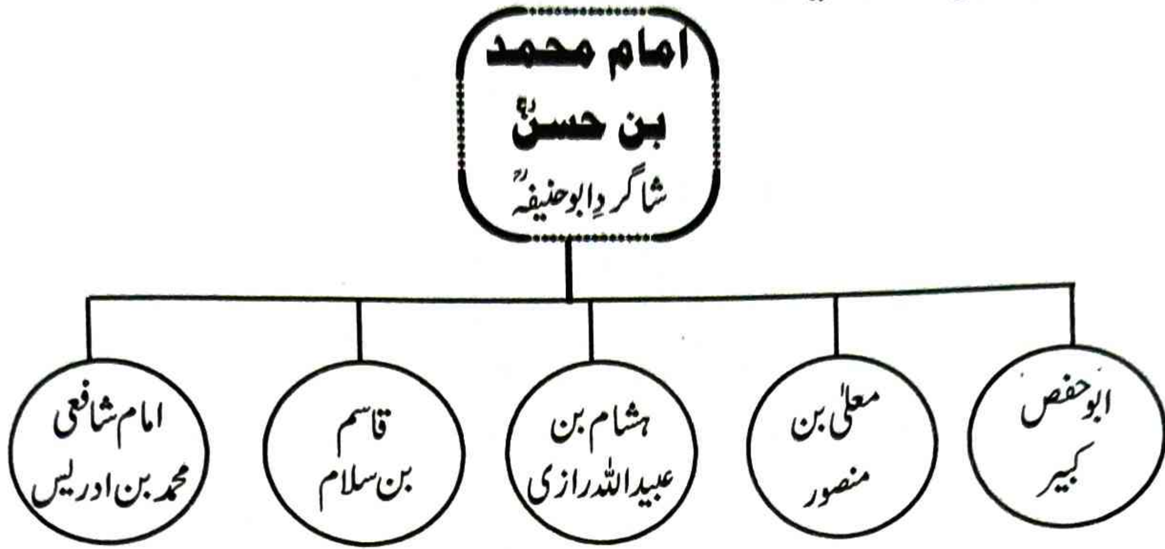
یہ نقشہ بھی دیکھئے !



امام محمدؒ، امام ابوحنیفہؒ کے ساختہ پرداختہ عظیم شاگرد ہیں، ان کے واسطے سے امام صاحب کے شاگردوں کا یہ سلسلہ ملاحظہ کیجئے۔



اور یہ نقشہ بھی دیکھئے !



شاگردان امام ابوحنیفہؒ
کا ایک اور نقشہ

امام
ابوحنیفہؒ

امام
ابو یوسف

عبداللہ
ابن مبارک

بشر ابن الولید
متوفی ۲۳۸ھ

ابن لہیعہ
عبداللہ

عبدان
حافظ

حافظ
ابو نعیم

ابو یعلیٰ
احمد

بغوی
ابو القاسم

اوزاعی

سفیان ثوری

ذہلی حافظ

امام بخاری

چھوٹا منھ، بڑی بات

چونکہ بنی نوعِ انسان سے خطاء کا ہونا شانِ بشریت ہے، البتہ انبیاءؑ معصوم ہیں، پس غیر انبیاء سے خطا و غلطی کا ہونا غیر مستبعَد ہے لہٰذا ابن عدی، نسائی، دار قطنی، بیہقی وغیرہم کے قلم سے ابوحنیفہؒ کی شان میں بعض غیر واقعی کلمات جو نکل گئے ہیں، یہ غلطی اور سہو پر محمول ہوں گے کیوں کہ یہ لوگ امام کے سلسلۂ تلمذی میں داخل ہیں اگر خطاء سے ایسا کام اُن سے ہو پڑا۔ تو انسان اور غیر معصوم ہیں۔ اور خطیب بغدادی اور ابن خلدون مؤرخ ناقلِ رطب و یابس ہیں، اس لئے ان کو ہم معذور سمجھتے ہیں تاہم گستاخی اور بے ادبی کے دھبّہ سے بری نہیں ہوسکتے۔

جب اکابر علماء وائمۂ حدیث نے ابوحنیفہؒ کی مدح اور تعریف کی ہے، پس ان لوگوں کے مقابلہ میں نسائی اور دار قطنیؒ، بیہقیؒ۔ اور خطیب بغدادی۔ اور ابن خلدون وغیرہ کی کیا وقعت ہے؟ حال کے دشمنوں کا کیا ذکر ہے؟ علیؒ بن المدینی اور یحییٰ بن معینؒ اور وکیعؒ بن الجراح اور امام سفیان ثوریؒ اور مکی بن ابراہیمؒ اور ابراہیمؒ ادہم اور فضیل بن عیاضؒ اور سفیانؒ بن عیینہ اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ بن حنبل اور امام ابویوسفؒ وغیرہم کے اقوال ابوحنیفہؒ کی مدح وتوثیق میں کافی ہیں۔ متقدمین کو جس قدر واقفیت ابوحنیفہؒ کے حال سے تھی بعد کے لوگوں کو نصیب کہاں۔ بعد کے متعصب غیر مقلدوں کے اقوال اور بھی قابلِ التفات نہیں۔ ابن خلدون اور خطیب بغدادی اور ابن خلکان کی عبارتوں کو غور سے دیکھنے سے ان کا طعن کرنا اور برا کہنا نہیں ثابت ہوتا بلکہ لوگوں کے اقوال کو نقل کردیا ہے اِن بے بنیاد عبارتوں پر کوتاہ نظر لوگوں کو ناز ہے۔ دیکھئے شامی میں

لکھا ہے کہ خطیب بغدادی امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ سے سخت تعصب رکھتا تھا اور ان لوگوں کے حق میں سخت لکھا ہے اسی وجہ سے بعض علماء نے خطیب کے جواب میں السھم المصیب فی کبد الخطیب تصنیف کی ہے۔ ابن خلدون کو ہم کچھ نہیں کہتے، اُس بے چارہ کے حال میں امام شمس الدین محمد سخاوی تلمیذ ابن حجر عسقلانی نے ضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع میں لکھا ہے ولم یکن ماھراً بالعلوم الشرعیة الخ یعنی ابن خلدون کو علوم شرعیہ یعنی فقہ وحدیث وتفسیر میں مہارت نہ تھی۔ علم حدیث اور فن رجال اور تعدیل اور توثیق میں کیا مداخلت ہوگی، اُس کا دخل در معقولات کرنا نامعقولی ہے۔ بیچارے نے کبھی حدیث اور مصنفات اور مسانید کو نہیں دیکھا وہ کیا جانے کہ ابوحنیفہؒ کس درجہ اور طبقہ کے آدمی تھے اور کیا جانے کہ کس قدر احادیث نبویہ، اکابر محدثین اور اساتذۂ نقادین نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہیں اور کن کن بزرگوں نے ابوحنیفہؒ کی قدم بوسی کو مایۂ فخر وناز سمجھا ہے۔

پچھلے صفحات میں آئے ہوئے نقشوں کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ تمام اکابر حفاظِ حدیث، اساتذہ ومحدثین ابوحنیفہؒ کے تلمذی کے سلسلہ سے الگ نہیں رہ سکتے اور سب اُنکے اور اُن کے شاگردوں کے قدم سے لگے ہوئے ہیں۔

واضح رہے کہ ابن مبارکؒ، فضیلؒ بن عیاض، سفیانؒ بن عیینہ، عبدالرزاقؒ بن ہمام، ابوداؤد طیالسیؒ، شعبہؒ، وکیعؒ بن جرّاح، قتادہؒ بن دعامہ سدوسی، یحییٰؒ القطّان، امام ابویوسفؒ، امام محمدؒ بن الحسن، یحییٰؒ بن زکریا، مکیؒ بن ابراہیم، حفصؒ بن غیاث، ابراہیمؒ بن ادھم، شقیقؒ بلخی، نضرؒ بن شمیل اور حافظ ابونعیمؒ کوفی وغیرہم بلاواسطہ تلامذۂ ابوحنیفہ تھے۔

افسوس کہ ابوحنیفہؒ کے شاگردانِ شاگردان، شیخ الاسلام، امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث، امام الوقت، امام العصر۔ شیخ الوقت، مسند، حجۃ، ثقہ، ثبت۔ حافظ،

محدث بن جائیں۔ اور ابو حنیفہؒ صرف فقیہ۔ بعض الناس، اصحاب الرائے، ضعیف فی الحدیث سے بڑھ کر کوئی لقب نہ پاسکیں اور تمام لقبوں سے محروم اور محجوب کردیئے جائیں۔ اور بہت زیادہ افسوس اس کا ہے کہ شاگردانِ شاگردان کے زمرہ میں ہوکر پھر ابو حنیفہؒ پر جرح اور طعن کریں اور ابو حنیفہؒ کو ضعیف بتلائیں۔ بزبان سعدیؒ، ابو حنیفہؒ کہتے ہیں ؎

کس نیاموخت علمِ تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

دار قطنی محدث کو دیکھئے جس کا سلسلۂ تلمذ ابو حنیفہؒ سے ملا ہوا ہے جیسا کہ ص ۱۶۷ کے نقشہ سے ظاہر ہوگیا، ابو حنیفہ کو ضعیف کہدیا۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ ابو حنیفہؒ امام اعظم استاذ الاساتذہ کو ضعیف کہنے کے سبب سے وہ خود ضعیف (۱) ہوگیا۔ دیکھو قطب الاقطاب امام عبدالوہاب شعرانی جو کہ شافعی المسلک ہیں کیا فرماتے ہیں۔ پڑھو میزانِ شعرانی سبق لے کر کسی شیخ کامل سے۔ دار قطنی کی جرأت و جسارت بیشک قابل ملامت اور نفرین ہے۔

یادداشت تاریخی: ابو حنیفہؒ کے انتقال کے ایک سو چھپن برس کے بعد دارِ قطنی کا وجود دنیا میں دیکھا گیا۔ اُناسی برس دنیا میں رہ کر یہ گل کِھلا گئے کہ جس کو پا کر سینکڑوں آدمی مدعیٔ حدیث بنے، انھیں ابو حنیفہؒ کو کہہ دیا کہ ضعیف ہیں اور ابو حنیفہ سے بدظن ہو گئے، گمان بد، ضعف کا کر کے گنہگار ہوئے کیوں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ قرآن میں وارد ہے۔ دارِ قطنی نے اپنی کتاب میں احادیث منکرہ غریبہ، موضوعہ بھی روایت کی ہیں۔

وفات ابو حنیفہؒ ۱۵۰ھ میں ہے اور ولادت دار قطنی ۳۰۶ھ میں ہے۔ کہاں

---

(۱) شیخ الاسلام بدرالدین عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں بحث قراءۃ الفاتحہ میں دار قطنی کے حق میں لکھا ہے کہ اس کو ابو حنیفہؒ کی تضعیف کا کہاں سے استحقاق ہوا حالانکہ وہ خود ہی ضعیف کہلانے کا مستحق ہے، کیوں کہ اُس نے اپنی مسند میں احادیث معلولہ منکرہ غریبہ موضوعہ روایت کی ہیں الخ

ابوحنیفہ اور کہاں دارقطنی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

آپ نے صفحہ ۱۶۷ کے نقشہ میں دیکھا ہوگا کہ دارقطنی اور ابوحنیفہؒ کے درمیان چار واسطہ ہے، سلسلہ میں ہوکر اپنے اُستادوں کے اُستاد کو ایسی بے ادبی سے یاد کرنا کیسے عقل و مروت کے آدمی کا کام ہے؟ ایسی جرح مردود غیر مقبول ہے۔

اس سے زیادہ تعجب ہے کہ تاریخ بغداد میں خطیبِ بغدادی نے جرأت کی ہے جس کو قاضی ابن خلکان نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، خیال کرنے کا مقام ہے کہ ابوحنیفہؒ کی وفات کے دوسو بیالیس برس کے بعد حضرت خطیب بغدادی علیہ الرحمۃ دنیا میں تشریف لائے اور کچھ پڑھ لکھ کر جب ذرا ہوشیار ہو چلے تو ابوحنیفہؒ کی قدردانی کر کے دامن ابوحنیفہؒ میں داغ قلتِ عربیت کا لگادیا اور لکھ دیا (ولم یکن یُعاب بشیٔ سوی قلة العربیة) خدا رحم کرے خطیب پر شاید بیچارے نے کسی سے سن کر یہ جملہ لکھ دیا۔ شاید ابوالعلاء نحوی کے مکالمہ سے یہ ایجاد کرلیا گیا ہے کیوں کہ ابوحنیفہؒ نے اُن کے جواب میں کہا تھا ولو قتلہ باباقبیس۔ ہمعصر نحوی صاحب تو کچھ بھی نہ بولے، بعد کے لوگوں کو خوب سوجھی جو کہہ دیا کہ نحو سے کم واقف تھے، حالانکہ اہلِ کوفہ کی لغت یہی ہے کہ اسمائے ستہ مکبرہ کو ہر حالت میں ایسا ہی کہتے ہیں۔ ولادت خطیب بغدادی کی ۳۹۲ھ میں ہے۔

صحاحِ ستہ میں بھی ضعیف احادیث موجود ہیں:

بخاری و مسلم میں ضعیف اور متکلم فیہ اشخاص سے روایات موجود ہیں جس نے صحیحین کو درایۃً پڑھا ہوگا اور اسمائے رجال کی تحقیق کی وہ ایسا ہی کہے گا، سنن ابن ماجہ کا میں ذکر نہیں کرتا، اس میں تو بے شمار ضعفاء رجال پڑے ہیں۔ اس میں تو احادیثِ ضعیفہ بلکہ موضوعہ بھی ہیں، ایسا ہی ذھبی نے اعلام سیر النبلاء میں ذکر کیا ہے، میں تو اصح الکتب

بعد کتاب اللہ کا ذکر کر رہا ہوں۔ شرح مشکوٰۃ کے مقدمہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے کیا لکھا ہے بغور دیکھنا چاہئے۔

یادداشت صحیح بخاری میں بہت متکلّم فیہ احادیث موجود ہیں جیسا کہ نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر کی شرح میں حضرت مجدّد ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ سخاوی نے شرح الفیہ میں ذکر کیا ہے کہ بخاری کے راویوں میں اسّی اور مسلم کے راویوں میں ایک سو ساٹھ رجال متکلم بالضعف ہیں اور اِن دونوں کتابوں میں کل دوسوا حادیث ایسی ہیں جن پر نقّاد حدیث نے نشان کیا ہے، جن میں سے تقریباً اسّی حدیث تو بخاری سے مختص ہیں اور بتیس دونوں میں مشترک ہیں۔ اور باقی مسلم سے مختص ہیں.......... اب فقیر کہتا ہے کہ جن لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کے اَتباع سے کسی مسئلہ یا مناظرہ میں زک کھایا ہوگا انہیں لوگوں نے رنجش کے سبب سے ابوحنیفہ کو بُرا کہا ہوگا اور اُن پر طعن کیا ہوگا، جس کو لوگوں نے جرح سمجھ لیا اور بعض حاسدین یا جاہلین یا اعداءِ دین نے محض اپنا دل خوش کرنے کے لئے اور اَتباع ابوحنیفہؒ کے دل دکھانے کی غرض سے ابوحنیفہؒ کو ضعیف اور مرجئہ، بعض الناس، اہل الرائے، مخالفِ حدیث، مخترعِ اصول، متبع قیاس، ضعیف الحافظہ، قلیل الروایۃ، قلیل البضاعۃ فی الحدیث، قلیل العربیۃ کہہ دیا اور لکھ دیا۔ اسی طرح اور بھی غیر واقعی باتوں کا الزام ابوحنیفہ کے سر تھوپ دیا۔ کیا خوب کسی شاعر نے کہا ہے۔

ومن ذاالذی ینجومن الناس سالماً ☆ وللناس قالٌ بالظنون وقیلٗ

مگر ایسے تراشیدہ وخراشیدہ الزامات سے کیا ہوسکتا تھا آفتاب پر کہیں خاک پڑ سکتی ہے؟ پھر بھی مذہبِ حنفی کی رات دن کیسی ترقی اور اَتباع ابوحنیفہ کی کتنی زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ☆ تانہ بخشد خدائے بخشندہ

میں حنفی کیسے بنا؟ (۱)

نحمده ونصلى على رسوله الكريم ۔ أمابعد:

دیہات کی زندگی تھی اور میرا بچپن۔ سوال یہ تھا کہ اسے قرآن پاک کی تعلیم دلائی جائے، گاؤں میں ایک مسجد تھی جس میں تقریباً ہر جمعہ جھگڑا ہوتا۔ بریلوی حضرات چاہتے تھے کہ یہاں ہمارا امام مقرر ہو اور غیر مقلدین چاہتے تھے کہ ہمارا امام مقرر ہو۔ اور ہمارا دیوبندی مسلک کا ایک ہی گھر تھا، نہ کسی گنتی میں نہ شمار میں۔ کئی دفعہ جھگڑا طول پکڑ جاتا تو چھ چھ ماہ مسجد میں کوئی بھی امام نہ ہوتا اور کبھی دو دو جماعتیں شروع ہو جاتیں۔ والد صاحب اس بارہ میں پریشان تھے، آخر انھوں نے یہی فیصلہ فرمایا کہ اہلِ بدعت کی نسبت غیر مقلد توحید میں اچھے ہیں، ان کے پاس ہی قرآن پڑھالیا جائے۔ چنانچہ مجھے تعلیم قرآن کے لئے ایک غیر مقلد حافظ صاحب کے سپرد کر دیا گیا۔

طریقۂ تعلیم

چونکہ اسکول میں میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اَبجد شناس تو تھا ہی، اس لئے شروع سے ہی پہلے پارہ سے سبق شرع ہو گیا۔ استاد صاحب دو تین آیتیں کہلوا دیتے ہم رَٹ لیتے۔ اس کے بعد استاد صاحب ہمیں سناتے کہ میں نے فلاں حنفی مفتی صاحب کو شکست دی، فلاں حنفی عالم کو لاجَواب کر دیا۔ دنیا بھر میں کوئی حنفی نہیں، نہ دیوبندی نہ

---

(۱) یہ مضمون تجلیاتِ صفدر جلد ۱ ص ۵۰ تا ۶۷ سے ماخوذ ہے، مصنف کتاب حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب ؒ نے اہلحدیث علماء کے تعلق سے جو آپ بیتی لکھی ہے، وہ نہایت قابلِ مطالعہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

بریلوی جو ہمارا سامنا کر سکے۔ پھر وہ کوئی اشتہار لے کر بیٹھ جاتے کہ دیکھو یہ اشتہار بیس سال پرانا ہے، اس میں دنیا بھر کے حنفیوں کو چیلنج دیا گیا تھا کہ صرف ایک حدیث دکھادو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ آج کے دن میں نے رفع یدین کو منسوخ کر دیا، ایک حدیث دکھادو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ ایک صدی کے بعد میرا دین منسوخ ہو جائے گا اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید میری امت پر فرض ہو جائے گی۔ یہ اشتہار دیوبند بھیجا گیا مگر کوئی حدیث نہ دکھاسکا۔ ہزار ہزار روپیہ انعام بھی رکھا گیا، ہمارے سامنے کوئی کھڑا نہ ہو سکا۔ استاد کی تعلّیاں ہی ہم خالی الذّہن لوگوں کو مرعوب کرنے کے لئے کافی تھیں لیکن جب کبھی وہ ساتھ میں یہ بھی فرماتے کہ میں ایک دفعہ دہلی جاتے ہوئے دیوبند اُتر گیا، نماز کا وقت تھا تمام اساتذۂ کرام اور طلباء مسجد میں جمع تھے میں نے کھڑے ہو کر اشتہار دکھایا کہ یہ اشتہار بیس سال سے متواتر آپ کے مدرسہ میں بھیجا جا رہا ہے آپ کیوں احادیث نہیں سناتے؟ تو استاد صاحب بتاتے ہیں کہ وہاں کے اساتذہ نے بڑی لجاجت سے یہ بات فرمائی کہ مولانا آپ جانتے ہیں، ہم حنفی ہیں۔ ہم تو ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ پڑھتے ہیں۔ حدیث نہ کبھی دیکھی نہ پڑھی۔ آپ ہم سے بار بار احادیث کا مطالبہ کر کے ہمیں شرمندہ کیوں کرتے ہیں۔ استاد صاحب کی ان نوازشات کے بعد ہم پر عالمِ یاس طاری ہو جاتا کیوں کہ ہم نے گھر میں یہی سُنا تھا کہ دیوبند کا مدرسہ دنیا بھر میں بہت بڑا مدرسہ ہے۔ جب ہمارے استاد جی دیوبند کے اساتذہ کو بھی لاجواب کر آئے تو اب حدیث کہاں ملے گی۔

اختلاف کیا ہے؟

اب ظاہر ہے کہ ہم استاد جی سے پوچھتے کہ استاد جی آپ کا اور اہلسنت والوں

کا اختلاف کیا ہے؟ تو استاد جی فرماتے بیٹا! کلمہ ہم بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھتے ہیں اور وہ بھی کلمہ نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی پڑھتے ہیں۔ اتنی بات پر ہمارا اوران کا اتفاق ہے۔ آگے ہم کہتے ہیں جس کا کلمہ پڑھو بات بھی اسی کی مانو۔ وہ کہتے ہیں کہ نہیں، ہم کلمہ نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑھیں گے اور بات امام ابوحنیفہ کی مانیں گے۔ ہم پوچھتے استاد جی! امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اگر مسلمان عالم تھے تو یقیناً نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی باتیں لوگوں کو سمجھاتے ہوں گے کیوں کہ خیر القرون کے مسلمان عالم کے بارے میں یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جان بوجھ کر باتیں بتائے۔ استاد جی فرماتے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بہت نیک آدمی تھے مگر ان کے زمانہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع نہیں ہوئی تھیں اس لئے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بہت سے مسئلے قیاس سے بیان کر دیئے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی تاکید فرمادی تھی کہ میرا جو قول حدیث کے خلاف ہو وہ چھوڑ دینا۔ لیکن یہ حنفی ضد کرتے ہیں۔ اُس وقت ہمیں اتنا شعور نہیں تھا کہ استاد جی سے پوچھتے کہ استاد جی کیا وجہ ہے کہ امت کو فقہ کے جمع کرنے کی ضرورت پہلے پڑی اور حدیث کی بعد میں۔ اصحاب صحاحِ ستہ یقیناً فقہ کے ائمہ اربعہ سے بعد ہوئے مگر کسی نے بھی اپنی کتاب میں نہ فقہ حنفی کے رد کا باب باندھا نہ فقہ شافعی کے رد کا۔

علم حدیث

پھر استاد جی ہمیں بتاتے کہ جس طرح کپڑا کپڑے کی دکان سے ملتا ہے، شکر شکر کی دوکان سے، اسی طرح حدیث صرف اور صرف اہل حدیث سے ملتی ہے اور کسی مدرسہ میں حدیث پڑھائی ہی نہیں جاتی۔ اگر ہمارے مدرسہ سے تم چلے گئے تو ساری عمر ایڑیاں

رگڑ رگڑ کر مر جاؤ گے لیکن تمہارے کان نبیؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک حدیث کو ترس جائیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والو! نبی ﷺ کی احادیث صرف یہاں ہی پڑھائی جاتی ہیں اور بس۔ اُس وقت ہمیں بھی سمجھ نہ تھی اور نہ پتہ تھا کہ ان اہلحدیثوں کے بھائی اہلِ قرآن بھی ہیں لیکن یہ تو استاد صاحب کا فرض تھا کہ ہمیں کہتے کہ بیٹا! قرآن صرف اہل قرآن سے پڑھنا چاہیے، کیوں کہ ان کا قرآن سے کیا تعلق۔ بہر حال ہمیں یہ منوالیا گیا کہ ہم دو چار آدمی نبیؐ پاک ﷺ کو مانتے ہین باقی سب نبی کے منکر ہیں۔

سوشہید کا ثواب

ہمیں اچھی طرح یاد ہے کہ نوافل کا ادا کرنا کیا، اُس پر تو مذاق اُڑایا کرتے تھے، سنتیں بھی خاص ضروری نہیں تھیں کیوں کہ حنفی نفل اور سنتوں کا پورا اہتمام کرتے تھے۔ ہاں! جو سنتیں مردہ ہو چکی ہیں ان کو زندہ کرنے کی بڑی تاکید کی جاتی تھی مثلاً نماز باجماعت میں ساتھی کے ٹخنے پر ٹخنہ مارنا سنت ہے جو مردہ ہو چکی ہے اس پر عمل کرنا سوشہید کا ثواب ہے، اسی طرح بلند آواز سے آمین کہنا سنت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ لوگ آمین سے چڑا کریں گے وہ میری امت کے یہودی ہیں، اس لئے آمین اتنی بلند آواز سے کہو کہ جتنے کہ جتنے حنفیوں کے کان تک آواز جائے گی اتنے سوشہیدوں کا ثواب ملے اور یہودیوں کو چڑانے کا ثواب الگ۔

حقیقۃُ الفقہ

اس کے ساتھ استاد جی کے پاس مولوی محمد یوسف جے پوری کی کتاب حقیقۃ الفقہ اور مولوی محمد رفیق پسروری کا رسالہ شمشیر محمدیہ بر عقائدِ حنفیہ اور شمع محمدی کتابیں تھیں۔

استاد جی ہمیں لے کر بیٹھ جاتے اور اس میں سے کوئی مسئلہ سناتے، پھر پانچ منٹ تک ہم اور استاد جی کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے کہ ہائے ایسا گندہ مسئلہ نہ ہندوؤں کی کتابوں میں ہے نہ سکھوں کی کتابوں میں۔ ہائے اللہ! اگر ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کو اس مسئلے کا علم ہو گیا تو وہ مسلمانوں کو کتنا ذلیل سمجھیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں یہ بات خوب ذہن نشیں کرائی جاتی تھی کہ دنیا میں مذہبِ حنفی اتنا گندہ مذہب ہے کہ ہندو، سکھ، مجوسی، یہودی سب کافر بھی اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

طریقِ کار:

اب جب ہمارا ذہن پختہ ہو گیا تو استاد جی فرماتے: کسی ایک دو سادہ حنفی نوجوانوں کو اکسایا کرو کہ ہمیں مولوی صاحب کے پاس لے چلو اگر وہ ہمیں حدیث دکھادیں گے تو ہم حنفی ہو جائیں گے۔ وہ بیچارے ہمیں لے جاتے ہم پوچھتے کہ مولانا یہ حدیث دکھائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے چھوڑ کر امام ابوحنیفہ کی تقلید کرنا۔ سوال کرنے کے بعد ہم اس کا جواب کبھی غور سے نہیں سنتے تھے۔ ہاں ہر دو منٹ کے بعد ان دونوں حنفیوں کو گواہ بنا کر کہتے کہ دیکھو مولوی صاحب کو ایک حدیث بھی نہیں آتی۔ جب دو چار مرتبہ ہم مولوی صاحب کو کہتے کہ آپ کو تو ایک حدیث بھی نہیں آتی تو فطری بات ہے کہ مولوی صاحب کو غصہ آجاتا تو ہم اب اُٹھ کر آجاتے۔ استاد صاحب بہت خوش ہوتے، کئی گاؤں میں ہماری نمائش کرائی جاتی کہ دیکھو! اس لڑکے نے فلاں حنفی مفتی صاحب کو لاجواب کر دیا ہے، وہ ایک سوال کا جواب بھی نہیں دے سکے، ایک بھی حدیث انھیں نہیں آتی۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ کے فلک شگاف نعرے لگائے جاتے۔

چھ نمبر

استاد جی اِس فن کے ماہر تھے۔ فرماتے تھے کہ حنفیوں کو زچ کرنے کے لئے قرآن، حدیث یا فقہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، ہراَن پڑھ ان کو تنگ کر کے سو شہید کا ثواب لے سکتا ہے۔

۱- جب کسی حنفی سے ملو تو پہلے ہی اس پر سوال کر دو کہ آپ نے جو گھڑی باندھی ہے اس کا ثبوت کس حدیث میں ہے؟ اس قسم کے سوال کے لئے کسی علم کی ضرورت نہیں۔ آپ ایک چھ سالہ بچے کو میڈیکل اسٹور میں بھیج دیں وہ دوائی پر ہاتھ رکھ کر یہ سوال کر سکتا ہے کہ اس دوا کا نام کس حدیث میں ہے؟ اس سوال کے بعد آ کر پنی مسجد میں بتانا ہے کہ میں نے فلاں حنفی مولوی صاحب سے حدیث پوچھی وہ نہیں بتا سکے، پھر ہر غیر مقلد بچے اور بوڑھے کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ہر ہر گلی میں پروپیگنڈہ کرے کہ فلاں حنفی مولوی صاحب کو ایک بھی حدیث نہیں آتی۔

۲- دوسرا نمبر یہ ہے کہ خدانخواستہ اگر تم کہیں پھنس جاؤ اور تمہیں کوئی کہے کہ تم نے جو پین جیب میں لگا رکھا ہے، اس کا نام حدیث میں دکھاؤ۔ تو گھبرانا نہیں، فوراً ان سے پوچھو کہ کس حدیث میں یہ منع ہے؟ اور شور مچا دو کہ منع کی حدیث نہیں دکھا سکے، نہ فلاں کام کے کرنے کی حدیث دکھا سکے نہ فلاں کام کے منع کی حدیث دکھا سکے۔ اب سب غیر مقلد یہ پروپگنڈہ کریں گے جی! کہاں سے بیچارے حدیث لائیں، فقہ ہی تو ساری عمر پڑھتے پڑھاتے ہیں۔

۳- اور اگر کسی جگہ پھنس جاؤ کہ کوئی صاحب کوئی حدیث کی کتاب لے آئیں کہ تم اہل حدیث ہو۔ دیکھو کتنی احادیث ہیں جن پر تمہارا عمل نہیں۔ تو گھبرانے کی ضرورت

نہیں، فوراً ایک قہقہہ لگا کر کہا کرو لو جی، یہ حدیث کی پتہ نہیں کون سی کتاب لے آئے۔ ہم تو صرف بخاری و مسلم اور زیادہ مجبوری ہو تو صحاحِ ستہ کو مانتے ہیں۔ باقی حدیث کی سب کتابوں کا پوری ڈھٹائی سے نہ صرف انکار کرو بلکہ استہزاء بھی کرو اور اتنا مذاق اڑاؤ کہ پیش کرنے والا ہی بے چارہ شرمندہ ہو کر حدیث کی کتاب چُھپا لے اور آپ کی جان چھوٹ جائے۔

۴- اگر بالفرض کوئی ان چھ کتابوں میں سے کوئی حدیث دکھا دے جو تمہارے خلاف ہو تو فوراً کوئی شرط اپنی طرف سے لگا دو کہ فلاں لفظ دکھاؤ تو ایک لاکھ روپیہ انعام، جیسے مرزائی کہتے ہیں کہ ان الفاظ میں حدیث دکھاؤ کہ مسیح علیہ السلام اِسی جسد عنصری کے ساتھ زندہ آسمان پر اٹھائے گئے، وہ حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مرجوح ہو، یا غیر مقلد کہتے کہ رفع یدین کے ساتھ منسوخ کا لفظ دکھاؤ، اور اس اپنے لفظ پر اتنا شور مچاؤ کہ وہ خود ہی خاموش ہو کر رہ جائے۔

۵- اگر بالفرض وہ لفظ مل ہی جائے اور مخالف دکھا دے کہ دیکھو جس لفظ کا تم نے مطالبہ کیا تھا، تو پورے زور سے تین مرتبہ اعلان کر دو ضعیف ہے، ضعیف ہے، ضعیف ہے۔ اب حدیث بھی نہ ماننی پڑی اور رعب بھی قائم ہو گیا کہ دیکھو! مولوی صاحبان کو تحقیق ہی نہیں تھی۔ اس اَن پڑھ کو پتہ چل گیا کہ حدیث ضعیف ہے۔

۶- چھٹا اور آخری نمبر: استاد جی تاکید فرماتے تھے کہ جو نماز نہیں پڑھتا اس کو نہیں کہنا کہ نماز پڑھا کرو۔ ہاں جو نماز پڑھ رہا ہو اس کو ضرور کہنا ہے کہ تیری نماز نہیں ہوئی۔ بس یہ چھ نمبر ہمارے علمِ کلام کا محور تھے۔ والد صاحب پابندِ صوم وصلوٰۃ، تہجد گزار اور عابد آدمی تھے۔ روزان سے جھگڑا ہوتا کہ نہ تمہاری نماز ہے، نہ تمہارا دین ہے، نہ تمہاری تہجد مقبول ہے نہ کوئی اور عبادت۔ والد صاحب فرماتے لڑا نہیں کرتے، تیری نماز بھی

ہوجاتی ہے اور ہماری بھی۔ میں کہتا، کتنا بڑا دھوکہ ہے۔ کیا ایک خدا نے دونمازیں اتاری ہیں ایک مدینہ میں، ایک کوفہ میں۔ ہماری نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم والی نماز ہے جو ہمیں جنت میں لے کر جائے گی، تمہاری نماز کوفہ والی نماز ہے یہ تمہیں سیدھا جہنم میں لے کر جائے گی۔ والد صاحب فرماتے بکواس نہ کیا کرو۔ ہم اس کو اپنی بہت بڑی فتح سمجھتے تھے، اور ساتھ ہی یہ بھی رعب کہ میں تو آپ کا بہت احترام کرتا ہوں ورنہ اگر میں فقہ کا گندھ کھول دوں تو تعفن سے سب کے دماغ پھٹ جائیں گے۔ چند سال اسی صورت میں گزر گئے۔

نقلِ مکانی

ہم وہاں سے دوسری جگہ چلے گئے، وہاں نہ کوئی اکسانے والا، نہ شاباش دینے والا۔ البتہ شہر میں، میں ایک مدرسہ میں ایک وقت پڑھنے چلا جاتا، وہاں میرے اسباق علم النحو، بلوغ المرام اور نسائی شریف تھے۔ مقصدِ تعلیم کسی کتاب کا پورا پڑھنا نہیں ہوتا تھا، بس فاتحہ خلف الامام، رفعِ یدین، آمین، سینے پر ہاتھ باندھنا، ٹانگیں چوڑی کرنا، اگر آجائیں تو فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوجانا یقینی تھا۔ البتہ اب گاؤں میں وہ گرما گرمی باقی نہ رہی تھی۔

تحریکِ ختم نبوت

اِسی دوران ۵۳ء کی تحریکِ ختم نبوت چلی، ہمارے لکھنوی صاحبان تحریک کے مخالف تھے کیوں کہ وہ قادیانیوں کو مسلمان کہتے تھے۔ اس تحریک میں علاقہ چھچھ کے دو بزرگ حضرت مولانا سید محمد عبدالحنان صاحب قدس سرہ تاجک والے اور حضرت مولانا

عبدالقدیر صاحب قدس اللہ سرہ سابق شیخ الحدیث تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی اپنے علاقہ سے تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں گرفتار ہوئے۔ ان دونوں حضرات کو ساہیوال جیل منتقل کر دیا گیا۔ اس جیل میں اوکاڑہ کے قائدِ تحریکِ ختم نبوت حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب سیوہاروی فاضل دیوبند بھی موجود تھے۔ اول الذکر دونوں بزرگ فاضل دیوبند اور امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کے اخص تلامذہ میں سے تھے۔ حضرت مولانا سیوہاروی نے دونوں حضرات کو راضی کر لیا کہ وہ رہائی کے بعد اوکاڑہ میں تدریس فرمائیں گے۔ چنانچہ دونوں حضرات اوکاڑہ تشریف لے آئے۔ احناف نے ''اوکاڑہ میں علم وعرفان کی بارش'' کے بہت اشتہارات شائع کئے اور ان حضرات کا شاندار استقبال کیا۔

مناظرہ کا شوق

اس وقت میرے غیر مقلد استاد جناب مولانا عبدالجبار صاحب محدث کھنڈیلوی تھے۔ آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ سنا ہے علامہ انور شاہ کے شاگرد آئے ہیں ان سے مناظرہ کرنا ہے۔ میں نے کہا حضرت وہ کیا کریں گے، خود امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بھی قبر سے اٹھ کر آجائیں تو ہمارا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ ہمارے پاس حدیث ہے ان کے پاس قیاس۔ استاد صاحب اس پر بہت خوش ہوئے، دعائیں دیں اور ایک اشتہار دیا جس کا عنوان تھا ''دنیا بھر کے حنفیوں کو گیارہ ہزار روپئے انعام کا کھلا چیلنج'' فرمایا، یہ اشتہار لے جاؤ! فتح یقیناً تمہاری ہے۔

عیدگاہ میں

اُن حضرات کا قیام عیدگاہ کے مدرسہ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب کے گرد بہت مخلوق ہے اور حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کے گرد کچھ کم لوگ ہیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اول الذکر ان دونوں حضرات میں سے بڑے عالم ہیں۔ میں ان کے پیچھے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ حضرت کے کندھے، پھر سر کو سہلانا شروع کر دیا۔ حضرت نے دو تین دفعہ میری طرف دیکھا اور خاموش رہے۔ چوتھی مرتبہ پوچھا کہ کیا کام کرتے ہو۔ میں بھی موقع کی تلاش میں تھا۔ جُھٹ جیب سے اشتہار نکال کر حضرت کے سامنے پھیلا دیا اور عرض کیا کہ حضرت! اہلِ حدیث حضرات نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ وہ فی حدیث ہزار روپیہ انعام بھی دیتے ہیں، لیکن ہمارے علماء کے پاس کوئی حدیث نہیں ہے۔ آپ ضرور میری رہنمائی فرمائیں اور یہ حدیث لکھوا دیں جن میں ان گیارہ سوالوں کا جواب ہو۔ حضرت نے فرمایا کہ میں نے پنجاب میں تدریس بہت کم کی ہے میری اردو زیادہ صاف نہیں۔ مولانا عبدالقدیر صاحب نے اکثر تدریس پنجاب میں کی ہے، اور ان کی اردو بھی صاف ہے اور ان کو اِن مسائل میں دلچسپی بھی ہے ان سے سمجھ لیں۔ میں اٹھا اور مولانا عبدالقدیر صاحب کی طرف چلا، اُدھر حضرت نے مولانا کو آواز دی کہ مولانا! لڑکا ذہین ہے، آپ اس کو سمجھائیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑی امید ہے کہ ان شاء اللہ پہلے ہی جلاب سے گند نکل جائے گا۔ حضرت کے فرمانے پر مولانا نے میرے ہاتھ سے اشتہار لیا اور پڑھنے لگے۔ مولانا اشتہار پڑھ رہے تھے، میں مولانا کا چہرہ پڑھ رہا تھا۔ کبھی تھوڑا سا زیرلب مسکرا دیتے، کبھی پیشانی پر ناراضگی کے شکن ابھر آتے۔ بہر حال مولانا نے پورا اشتہار پڑھ لیا۔

نیت

حضرت نے سب سے پہلے یہ ارشاد فرمایا کہ بیٹا! اپنی نیت درست کرلو۔ اگر کوئی شخص اس نیت سے مسئلہ پوچھتا ہے کہ دین کا مسئلہ سمجھ کر عمل کرنا ہے تو مسئلہ پوچھنے کا اجرا لگ ملتا ہے اوراس پر عمل کرنے کا الگ، اوراگر کسی شخص کی نیت مسئلہ پوچھنے میں شرارت یا فتنہ کی ہوتو مسئلہ پوچھنے کا گناہ الگ ہوگا، اور شرارت کا الگ۔ فرمایا میں تو اسی نیت سے مسئلہ سمجھاؤں گا کہ خالص اللہ کی رضا مقصود ہے اور بس۔ میں نے کہا کہ میں بھی اللہ کی رضا کے لئے سمجھنا چاہتا ہوں۔

دلیل کس کے ذمہ؟

حضرت نے فرمایا کہ اس اشتہار میں بہت سے دھوکے ہیں، مگر مولویوں کے دھوکے مولوی ہی سمجھ سکتے ہیں، ہر شخص کے بس کا روگ نہیں۔ فرمایا اگر چہ اشتہار والے نے اپنے آپ کو اہلِ حدیث لکھا ہے مگر دراصل یہ منکر حدیث ہے کیوں کہ مشہور حدیث میں رسول اللہ صلی علیہ سلم کا ارشاد گرامی ہے "اَلبَیِّنَۃُ عَلَی المُدَّعِی" کہ گواہ مدعی کے ذمہ ہوتے ہیں، اور دنیا کی ہر عدالت بھی ہمیشہ مدعی سے ہی گواہ مانگتی ہے۔ اِن گیارہ کے گیارہ مسائل میں مدعی غیر مقلد ہیں، دلیل ان کے ذمہ ہے مگر اس نے اپنی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے الٹے ہم سے سوال کر ڈالے ہیں۔ فرمایا اس کو مثال سے سمجھو۔ رافضی اذان میں کچھ کلمات زیادہ کہتے ہیں مثلاً اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيّاً وَلِىُّ اللّٰهِ الخ اب ہمیں تو حق ہے کہ ان سے سوال کریں کہ آپ کسی آیت یا حدیث سے ثابت کریں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کم ازکم حضرت علیؓ سے ان کلمات کا ثبوت ہو، مگر وہ قیامت تک اس کا ثبوت نہیں

دے سکتے۔ وہ اپنے جاہل مریدوں کو دھوکا دینے کے لئے اگر یوں سوال بنائیں جس طرح اس غیر مقلد نے بنایا ہے کہ دنیا بھر کے غیر مقلد اکٹھے ہوکر ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مرجوح ایسی پیش کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت علیؓ نے اذان میں یہ کلمات کہنے سے منع فرمایا ہو تو منع کا لفظ دکھانے پر مبلغ ایک لاکھ روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ اب آپ ایسی حدیث اپنے استاد سے لکھوالاؤ یا شیعہ مذہب کا سچا ہونا اور غیر مقلدوں کے مذہب کا جھوٹا ہونا مان لو کہ ساری دنیا کے غیر مقلد ایک حدیث نہیں دکھا سکے۔ میں نے کہا ہم کیوں حدیث دکھائیں، جو یہ کلمات زائد کہتے ہیں، وہ اس کا ثبوت پیش کریں۔ ہمیں منع کی حدیث سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوال تو محض دھوکا ہے۔ فرمایا پھر رفع یدین تم کرتے ہو اور حدیث ہم سے منع کی مانگتے ہو یہ بھی ایسا ہی دھوکہ ہے۔ پھر فرمایا دیکھو قرآن پاک کی پہلی سورہ فاتحہ ہے۔ اسی کا نام ام القرآن ہے اور اسی پر زیادہ جھگڑے ہیں۔ کوئی فاتحہ علی الطعام پر لڑتا ہے اور کوئی فاتحہ خلف الامام پر۔ جب کہ فاتحہ میں بنیادی طور پر دو ہی مسئلے ہیں۔ مسئلہ توحید اور مسئلہ تقلید۔ فاتحہ علی الطعام والوں کو توحید اچھی نہیں لگتی اور فاتحہ خلف الامام والوں کو تقلید اچھی نہیں لگتی۔ یعنی فاتحہ کے ماننے کو دل کسی کا بھی نہیں چاہتا۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ اگر آپ کا مناظرہ فاتحہ علی الطعام والوں سے ہو جائے تو آپ ان سے سوال کریں گے کہ ایصال ثواب کی نیت سے کھانے پر فاتحہ پڑھنے کی حدیث لاؤ یا ان کو بھی سوال کا حق دیں گے کہ ساری دنیا کے غیر مقلدین مل کر صرف ایک حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مرجوح ایسی پیش کر دیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص ایصالِ ثواب کی نیت سے کھانا سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھنے سے منع فرمایا ہو، خاص منع کا لفظ دکھانے پر ہم ایک لاکھ روپیہ انعام دیں گے۔ فرمایا جاؤ ایسی حدیث لے آؤ۔ میں نے کہا جب کھانے پر فاتحہ وہ پڑھتے ہیں تو وہ دلیل لائیں ہم سے منع کی

دلیل کیوں مانگتے ہیں۔ فرمایا پھر امام کے پیچھے تم فاتحہ پڑھتے ہو یا ہم۔ میں نے کہا ہم، فرمایا پھر ہم سے منع کی حدیث کیوں مانگتے ہو۔ کیا شعیب علیہ السلام کی قوم کی طرح آپ کے لینے کے باٹ اور ہیں اور دینے کے باٹ اور ہیں؟ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہیں کہ اپنے بھائی کے وہی پسند کرو جو تمہیں اپنے لئے پسند ہو۔

دلیلِ خاص کا مطالبہ

فرمایا مدعی سے بھی دلیل کا مطالبہ تو کیا جاسکتا ہے مگر دلیلِ خاص کا مطالبہ جائز نہیں ہوتا۔ یہ تو کافروں کا طریقہ تھا کہ وہ ان معجزات کو نہیں مانتے تھے جو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے، بلکہ اپنی طرف سے شرطیں لگا لگا کر فرمائشی معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ پھر اگر فرمائشی معجزہ نہ دکھایا گیا تو ان کو یہ حق تو تھا کہ کہتے کہ ہمارا فرمائشی معجزہ نہیں دکھایا گیا مگر وہ یہ پروپگنڈہ کرتے تھے کہ سرے سے کوئی معجزہ دکھایا ہی نہیں گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی آئے اور کہے کہ میں بہت گنہ گار ہوں ساٹھ سال عمر ہوگئی ہے کبھی نماز نہیں پڑھی، آج توبہ کرنے آیا ہوں۔ آپ مجھے مکمل نماز کا طریقہ سکھا دیں مگر میری صرف ایک شرط ہے کہ نمازوں کی رکعتیں بھی قرآن سے دکھائیں۔ ثناء بھی، تشہد بھی، درود شریف کے الفاظ بھی صرف قرآن سے دکھائیں۔ کیوں کہ میں خدا کی عبادت صرف خدا کی کتاب کے مطابق کرنا چاہتا ہوں اور کسی کو نہیں مانتا، تو کیا آپ اس کو یہ سب چیزیں قرآن سے دکھا دیں گے؟ اگر نہ دکھا سکیں اور وہ یہ کہے کہ قرآن سے نماز نہیں سکھا سکے تو ٹھیک ہے، مگر یوں کہے کہ ان مسائل کا کوئی ثبوت نہیں دے سکے تو یہ بات غلط ہے، اسے کہتے ہیں دلیل کو خاص کرنا۔ اگر کسی عدالت کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے تو وہ عدالت ساری عمر میں ایک مقدمہ کا بھی فیصلہ نہ کر سکے۔ مثلاً عدالت مدعی سے گواہ مانگے

گی، مدعی جو گواہ بھی پیش کرے آپ کو اس گواہ پر جرح کا پورا حق دے گی مگر آپ کو گواہِ خاص پر ضد کرنے کی اجازت نہیں دے گی کہ مدعی نے زید کو گواہ بنایا۔ عدالت آپ سے کہے گی کہ اس پر جرح کرو۔ آپ کہیں کہ میں اس کو گواہ ہی نہیں مانتا۔ ملک کا صدر یا وزیر اعظم گواہی دے تو میں مانوں گا، تو کیا کوئی عدالت اس غلط اصول پر چل سکے گی۔

ایمان نبی پر یا شرط پر

حضرت نے فرمایا جیسے کافر ایمان نبی پر نہیں اپنی فرمائش پر رکھتے تھے، اسی طرح تم یہ بات دل سے نکال دو کہ تمہارا ایمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ ہرگز نہیں۔ تمہارا ایمان صرف اپنے استاد کی شرط پر ہوتا ہے جس طرح کافر نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ جو ہم کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے کہلوا دو یا اللہ تعالیٰ سے کروا دو تو ہم مان لیں گے ورنہ نہیں۔ اسی طرح آپ کے استاد آپ کو ایک عبارت لکھ دیتے ہیں کہ بعینہٖ یہ الفاظ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا دو تو ہم مان لیں گے ورنہ اس سے پہلے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود فرمایا ہے وہ ہم ہرگز نہیں مانیں گے۔ اب میں دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ بات تو مولانا بالکل صحیح فرما رہے ہیں، ہمیں کوئی سَو حدیث بھی سنا دے ہم اس پر توجہ ہی نہیں دیتے بلکہ بیکار سمجھ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ ہمارے استاد نے جو لفظ مانگا ہے وہ حضور صلی علیہ وسلم نے کیوں نہیں فرمایا۔ یہ تو گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دینا ہے کہ حضرت آپ کو کوئی مسئلہ بتانا ہو تو فقرہ ہم سے بنوا لینا اور شرط بھی ہم سے پوچھ لینا، کیوں کہ اگر آپ نے ہماری شرط کے مطابق ہمارا ہی لکھا ہوا فقرہ بیان نہ فرمایا تو ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے۔

ایک سوال

میں نے عرض کی کہ حضرت آپ بھی کوئی سوال ایسا بنا سکتے ہیں کہ اس میں صرف حدیث کا مطالبہ ہو اور ساتھ انعام کا بھی وعدہ ہو اور ہمارے استاد بھی اس طرح کی حدیث پیش نہ کرسکیں بلکہ اس سوال کو دھوکا کہنے پر مجبور ہوں جیسے آپ ان کے سوالات کو دھوکا فرمارہے ہیں۔ مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ کیا دھوکا بھی اچھی چیز ہے کہ ہم بھی شروع کردیں۔ میں نے کہا مجھے سمجھانے کے لئے آپ ضرور کوئی سوال لکھ دیں، تو حضرت نے اسی اشتہار کے دوسری طرف سوال لکھا کہ ''آپ اپنی ہی شرط کے موافق ایک ہی حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مجروح ایسی پیش فرمائیں جس سے ثابت ہو کہ دلیل شرعی صرف حدیث صحیح صریح مرفوع غیر مجروح میں ہی منحصر ہے تو میں آپ کو پچاس ہزار روپئے کا نقد انعام دوں گا'' اور مولانا نے اس پر دستخط فرمادیئے۔ ان کے دستخط فرمانے سے میں سوچنے لگا کہ ہمارے استاد صاحب تو ہمیں روز تاکید کرتے ہیں کہ چیلنج پچاس ہزار روپئے سے کم کا نہیں دینا، مگر دستخط کبھی پانچ پیسے پر بھی نہیں کرتے لیکن مولانا نے پچاس ہزار روپئے پر بلا جھجک دستخط فرمادیئے ہیں۔

واپسی

اب میں وہ اشتہار لے کر اٹھا۔ واپس آیا تو استاد جی بڑی بے قراری سے گیٹ پر کھڑے میرا انتظار کررہے تھے۔ جب میں واپس پہنچا تو پوچھا کوئی ہمارے اشتہار کو ہاتھ لگاتا ہے؟ میں نے کہا حضرت! آج تو بہت بری طرح ہاتھ لگا یا اور انھوں نے بھی ایک حدیث کا مطالبہ کیا ہے اگر آپ لکھ دیں تو وہ پچاس ہزار روپیہ انعام دیں گے۔ انھوں نے دستخط بھی کردیئے ہیں۔ استاد جی آپ حدیث لکھ دیں میں انعام لے کر آتا ہوں۔ دسمبر

کا سردی کا مہینہ تھا۔ استاد جی نے سوال کی ایک سطر پڑھتے پورے زور سے تین مرتبہ پسینہ صاف فرمایا۔ استاد کو پسینہ میں غرق دیکھ کر سوال کے وزن کا اندازہ مجھے بھی ہو رہا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری ہدایت کا وقت آن پہنچا تھا۔ استاد جی کے منہ سے سوال پڑھتے ہی پہلا جملہ یہ نکلا ''بیٹا! یہ شرطیں دھوکے کے لئے لگائی جاتی ہیں، یہ سنتے ہی میرے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں نے کہا'' حضرت! دھوکا اور دین میں، اور وہ بھی قرآن وحدیث کے نام پر'' میں نے کہا استاد جی! یہ تو آج مولانا نے سمجھایا ہے کہ تمہارا ایمان نبی پر نہیں، تمہارا ایمان محض استاد کی جعلی شرطوں پر ہے اور آج آپ نے خود ہی ان شرطوں کو دھوکا فرما دیا تو ہم تو کہیں کے بھی نہ رہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ایک اور سوال

استاد صاحب کی درسگاہ میں تپائی پر استاد صاحب کی کتابیں کاپیاں وغیرہ میں ہی رکھتا تھا۔ ان میں دو موٹی موٹی کاپیاں تھیں۔ ایک پر لکھا تھا'' تقریر صحیح بخاری شریف از علامہ انوار شاہ صاحب کشمیری صدر مدرس دارالعلوم دیوبند'' دوسری پر لکھا تھا'' تقریر ترمذی شریف از سید حسین احمد مدنی صدر مدرس دارالعلوم دیوبند''۔ ایک دن میں نے استاد جی سے پوچھا تھا کہ استاد جی! آپ ان مشرکوں کی کاپیاں اپنے پاس کیوں رکھتے ہیں؟ اُس زمانہ میں علمائے احناف کو مشرک کہنا ہمارے ہاں بہت بڑی نیکی اور استاد محترم کو خوش کرنے کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ استادِ محترم اس پر بہت خوش ہوتے اور خوب شاباش دیتے۔ استاد جی نے فرمایا بیٹا مسائل میں ہمارا ان کے ساتھ اختلاف ہے مگر اللہ تعالیٰ نے

ان حضرات کو علم سے بہت نوازا ہے۔ ہم اُن کی کاپیاں پڑھے بغیر نہ بخاری پڑھا سکتے ہیں نہ ترمذی۔ آج وہ بات میرے ذہن میں ابھر آئی، میں نے پوچھا استاد جی! آپ دھوکا ان لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں جن کی کاپیاں پڑھے بغیر آپ بخاری اور ترمذی نہیں پڑھا سکتے؟ استاد جی نے یہ بات سن کر فرمایا جاؤ دفع ہو جاؤ اب وہاں نہ جانا۔ میں نے کہا، استاد جی آپ حدیث تو لکھ دیں میں انعام لے کر آتا ہوں۔ استاد جی نے ایک تھپڑ مارا کہ جاؤ بیٹھو۔

دوبارہ جانا

اب عصر کے بعد میں دوبارہ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بات تو کنفرم ہوگئی کہ یہ سوالات محض دھوکا ہیں، لیکن یہ فرمایئے کہ آپ لوگ حدیث کے مقابلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اقوال کو کیوں ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا یہ بالکل جھوٹ ہے۔ حضرت نے مجھے مطالعہ کے لئے اعلاء السنن عنایت فرمائی جس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی تھا۔ اب میں جب احادیث پڑھتا تھا تو حیرانی ہوتی تھی کہ یہ کتنا بڑا جھوٹ ہے جو ہم روزانہ بولتے ہیں۔ اب میں اپنے استاد جی سے پوچھتا کہ استاد جی! ان سب احادیث کو جو اعلاء السنن میں لکھی ہیں آپ کیوں نہیں مانتے اور ان پر عمل کرنے والوں کو آپ اہل الرائے کیوں کہتے ہیں؟ اور اس کتاب کا کوئی مکمل جواب کسی غیر مقلد عالم نے لکھا ہو تو مجھے بتائیں میں اس کا بھی مطالعہ کروں؟ مگر پورے تجسس کے بعد بھی یہی پتہ چلا کہ اس کے جواب سے ساری دنیائے غیر مقلدیت عاجز ہے۔ میں اس کتاب اعلاء السنن کا وہاں مدرسہ میں بیٹھ کر مطالعہ کرتا تو استاد جی سخت ناراض ہوتے بلکہ ایک دو دفعہ میری پٹائی بھی کی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا

کہ اہلِ حدیث، حدیث کے اتنے دشمن کیوں ہیں؟ میں کہتا آپ مجھے احادیث کیوں نہیں پڑھنے دیتے؟ وہ بس ایک ہی رٹ لگاتے کہ یہ حدیث کی کتاب تم ہمارے مدرسے میں کیوں لائے؟ میں نے ایک دن دیوار پر خوشخط یہ حدیث لکھ دی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر حدیث میں ہے أسفِروا بالفَجرِ فإنّه أعظَمُ لِلأجرِ (کہ فجر کی نماز کو روشن کر کے پڑھو اس میں زیادہ ثواب ہے) پوری مسجد میں شور مچ گیا کہ یہ حدیث کس نے لکھی؟ کیوں لکھی؟ مارو نکالو اس کو۔ اگلے دن میں نے دیوار پر یہ حدیث لکھ لگادی أبرِدُوا بالصّلوٰة فَإنّ شِدّة الحَرّ منْ فَيحِ جهنّم کہ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو گرمی کی شدت جہنم کے سانس سے ہے۔ اس پر میری جواب طلبی ہوئی کہ تم شرارتیں کیوں کرتے ہو۔ اگلی نماز سے پہلے میں نے دیوار پر یہ حدیث لگادی فَقِيهٌ واحِدٌ أشَدّ عَلىٰ الشّيطَانِ مِن ألفِ عَابدٍ "ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ سخت ہے۔" میں یہ اندازہ لگاتا تھا کہ ان لوگوں کو جتنا بغض حدیث سے ہے کسی اور چیز سے نہیں۔

تیسری بار

پھر میں مولانا کے پاس گیا، پوچھنے لگے تقلیدِ شخصی کو کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا شرک۔ فرمایا جتنے محدثین کا ذکر طبقاتِ حنفیہ، طبقاتِ مالکیہ، طبقاتِ شافعیہ اور طبقاتِ حنابلہ میں ہے کیا وہ سب مشرک ہیں؟ میں نے کہا بلاشک۔ فرمایا پھر تو صحاحِ ستہ والے بھی سب مشرک ہوگئے۔ تم بلوغ المرام پڑھتے ہو، ابن حجر شافعی بھی مشرک ہوا، تم نسائی پڑھتے ہو وہ بھی شافعی کا مقلد ہے مشرک ہوا۔ اب میں استاد صاحب کے پاس آیا، میں نے پوچھا کہ کسی محدث یا مسلمہ مؤرخ نے محدثین کے حالات میں کوئی کتاب طبقاتِ

غیر مقلدین نامی لکھی ہوتو وہ دکھائیں۔ استاد صاحب ناراض ہو گئے کہ تم بس شرارت کرتے ہو اور طلباء کو اعلاء السنن سے حدیثیں سُناتے ہو اور مسجد کی دیوار پر حدیثیں لکھ لکھ کر لگاتے ہو۔ ہم اِن باتوں کو برداشت نہیں کر سکتے۔ حدیثیں سنانے اور لکھنے سے باز آؤ ورنہ مدرسے سے نکل جاؤ، ہمارے پاس طبقاتِ غیر مقلدین نامی کوئی کتاب نہیں۔ میں پھر حضرت کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا کہ انگریز کے/دور سے پہلے کی پاک وہند میں غیر مقلدین کی کوئی مسجد، کوئی مدرسہ، کوئی قبر، کوئی ترجمہ قرآن، کوئی ترجمۂ حدیث ہوتو دکھاؤ، کوئی نماز کی مکمل کتاب ہوتو وہ لاؤ۔ اب جب میں نے استاد جی سے یہ پوچھا تو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ غصے میں بولے تمہیں شرارت کے سوا کچھ نہیں سوجھتا۔

لطیفہ

ایک دن نسائی کا سبق تھا اور مسئلۂ قرآت خلف الامام کا۔ میں بھی سبق میں بیٹھا مگر کتاب ہاتھ میں نہیں لی۔ استاد جی نے پوچھا۔ کتاب کہاں ہے؟ میں نے کہا کمرے میں، فرمایا لائے کیوں نہیں؟ میں نے کہا وہ تو مشرک کی لکھی ہوئی ہے میں کیوں ہاتھ لگاؤں؟ استاد جی نے بل تو کھائے مگر خاموش رہے۔ امام نسائی نے باقاعدہ باب باندھا ہے باب تاویل قولہ تعالیٰ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ اور پھر حدیث لائے ہیں اِذا قرأ فانصِتوا گویا خدا اور رسول دونوں کا حکم ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی خاموش رہیں۔ یہ آیت اور حدیث استاد صاحب کے خلاف تھی۔ استاد صاحب اس حدیث کو شہید کرنے پر تُل گئے۔ فرمایا ابو خالد احمر مدلِّس ہے یہ حدیث جھوٹی ہے، ابو خالد احمر کا کوئی متابع دنیا کی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں۔ میں نے علامہ انور شاہ کشمیری سے بات کی، وہ بھی کوئی متابع

نہ دکھا سکے۔ میں نے آٹھ دس مناظرہ کئے ہیں، کوئی ماں کا لعل جواب نہیں دے سکا۔ میں تو مطالعہ کر کے بیٹھا تھا دل ہی دل میں استاد جی کی اس جرأت پر شرمسار ہو رہا تھا مگر زبان سے خاموش تھا کہ استاد صاحب کی نظرِ عنایت مجھ پر ہوئی۔ فرمایا او حنفی! خالد کا کوئی متابع ہے؟ حالانکہ میں ابھی حنفی نہیں ہوا تھا۔ میں نے کہا استاد جی! آپ اوپر کو منہ اُٹھا کر بیٹھے ہیں اس طرح متابع کیسے نظر آئے گا؟ ذرا آنکھیں کتاب پر لگائیں تو اِسی کتاب میں اس کا متابع محمد بن سعد انصاری موجود ہے اور میں نے اُٹھ کر اس پر انگلی رکھ دی اب تو استاد صاحب غصے میں گالیوں پر اتر آئے۔ میں نے آہستہ سے تسبیح نکال کر رکھ دی۔ فرمایا یہ کیا؟ میں نے عرض کیا آپ کو جو گالیوں کی تسبیح پڑھنی ہو وہ پڑھ لیں پھر مجھے بتائیں کہ آخر آپ کو سامنے پڑی ہوئی کتاب میں یہ متابع نظر کیوں نہیں آیا؟ بس پھر تو لاٹھی سے پٹائی شروع ہوگئی اور مجھے مدرسے سے نکال باہر کیا گیا۔ اب میں اعلاء السنن اور حضرت مولانا محمد حسن صاحب محدث فیض پوری کی کتاب ستہ ضروریہ، الدلیل المبین وغیرہ کا مطالعہ کرتا، لیکن ابھی ذہن سے غیر مقلدیت نکل نہیں رہی تھی۔ کوئی فقہ کا مسئلہ دیکھتا اس کے لئے حدیث کی تلاش میں بھاگتا۔ کئی ماہ بعد پھر ذہن نے پلٹا کھایا اب اگر کوئی آیت یا حدیث پڑھتا تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ اس کا جو مطلب ذہن میں آیا ہے وہ مرزا قادیانی کی طرف نیا ہی ہے یا اکابر اور اسلاف نے بھی یہی مطلب سمجھا ہے تو اب خود رائی اور خود بینی کی بیماری ذہن سے نکلی اور غیر مقلّدیت کا روگ دل سے رخصت ہوا، اور میں اہلسنت والجماعت حنفی مسلک پر جم گیا۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالی اس مسلکِ حقہ پر استقامت نصیب فرمائیں۔ آمین۔



ترک تقلید کے نتائج

اہلحدیث، ترک تقلید کے بہت بڑے داعی ہیں، تقلید ان کے نزدیک عیب، گناہ، شرک بلکہ اور نہ جانے کیا کیا ہے اور غیر مقلدیت سراسر خوبی ہی خوبی، ہنر ہی ہنر۔

اس کے برعکس تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ غیر مقلدیت، مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا مرکز ومنبع بنی رہی ہے اور مختلف گمراہ فرقے اس کی ذیلی شاخیں ہیں۔

حدیث، حدیث رٹنے والے اور ''اہلحدیث'' نام سے خود کو متعارف کرانے والے اس فرقہ کا ایک نہایت افسوسناک اور عبرت خیز پس منظر یہ بھی ہے کہ اسی فرقہ کے خمیر سے ''منکرینِ حدیث'' کا فرقہ وجود میں آیا۔ چنانچہ عبداللہ چکڑالوی جو فرقہ ''منکرینِ حدیث'' کا بانی اور امام تھا اور اس کے اعتبار سے منکرینِ حدیث چکڑالوی کے نام سے مشہور ہو گئے، اہلِ حدیث تھا۔

شیخ محمد اکرام صاحب اپنی کتاب موجِ کوثر میں منکرینِ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں، اور یہ اپنے آپ کو اہلِ قرآن کا لقب دیتے ہیں، اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث تھا۔'' (موجِ کوثر، ص۵۲)

اس فرقہ کے ایک دوسرے صاحب ڈاکٹر احمد دین ہیں وہ اپنے بارے میں

لکھتے ہیں:

''ہم کبھی وحدتِ الٰہی حاصل کرتے ہوئے اہلحدیث بنے تھے، پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدتِ الٰہی کے وہ شرک ہے جونہایت سوچ سمجھ کر بڑے غور سے کیا جاتا ہے۔ (پیغام توحید،ص۱۶)(۱)

اس فرقہ کے ایک صاحب مولوی اسلم جیراجپوری ہیں، یہ بھی اہلحدیث ہی تھے۔ (ماہنامہ آثار مئوناتھ بھنجن ۸۸ء)

سرسیدؒ سے بعض دینی امور وعقائد میں جوفرد گزاشتیں ہوئیں وہ بھی اسی ترکِ تقلید کا نتیجہ تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کا منکر، نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا مسیلمۂ پنجاب مرزا غلام احمد قادیانی بھی غیر مقلد تھا چنانچہ وہ امام کے پیچھے مقتدی پر سورۂ فاتحہ کی فرضیت کا قائل تھا، (خطبۂ الہامیہ،ص۱۳۱، سیرۃ المہدی حصہ دوم،ص۴۹) ہاتھ سینے پر باندھتا تھا (ذکر حبیب،ص۲۴، نہج المصلی ج۱ص۴۷ یعنی فتاویٰ احمدیہ) جمع بین الصلوٰتین اور جرابوں پر مسح کا قائل تھا۔ سیرت المہدی حصہ دوم ص۲۶،ص۲۹،ص۸۸، آٹھ رکعات تراویح کا قائل تھا (سیرۃ المہدی حصہ دوم،ص۱۳) سفر شرعی کے لئے کسی خاص مسافت کا قائل نہ تھا، دو، تین کوس پر بھی قصر کی اجازت دیتا تھا (ملفوظاتِ احمدیہ، ج۱،ص۱۹۹) سلام پھیرنے کے بعد دعا مانگنے کا قائل نہ تھا بلکہ اُسے بدعت کہتا تھا (ذکر حبیب،ص۲۰۲)(۲)

قارئین کرام اس حقیقت سے بے خبر نہ ہوں گے یہی فرقۂ اہلِ حدیث کے بھی امتیازی مسائل ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ مرزا قادیانی کا خلیفۂ اول حکیم نورالدین بھی

---

(۱) الکلام المفید فی اثبات التقلید ص۱۸۵۔ (۲) الکلام المفید ص۱۸۷۔

غیر مقلد تھا، چنانچہ تاریخ احمدیت کے مصنف لکھتے ہیں:

''حرمین سے واپسی پر نورالدین نے وہابیت اختیار کی اور ترکِ تقلید پر وعظ کئے اور عدمِ جوازِ تقلید پر کتابیں تصنیف کیں، بھیرہ میں ہیجان عظیم برپا ہو گیا۔''

(تاریخ احمدیت ج۴، ص۶۹)(۱)

سر ظفر اللہ خاں قادیانی (سابق وزیر خارجہ پاکستان) کا خاندان بھی اہلحدیث تھا۔ چنانچہ ظفر اللہ خاں نے خود لکھا ہے کہ:

''میرے دادا چودھری سکندر خاں صاحب مرحوم اپنے علاقہ کے بڑے بارسوخ زمیندار تھے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے وہ اہلِ حدیث فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔'' (تحدیث نعمت، ص۳) (۲)

اسی ترکِ تقلید کا نتیجہ تھا کہ فرقۂ اہلحدیث کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ بھی بہک گئے اور ایک گمراہ کن، فتنہ انگیز عربی تفسیر ''تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن'' لکھ ڈالی۔ (۳)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا محمد حسین صاحب بٹالویؒ (المتوفی ۱۳۳۸ھ) فرماتے ہیں:

''پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہدِ مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں، کفر و ارتداد و فسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے، گروہِ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہو کر ترکِ مطلق تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں، اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہو جاتے ہیں۔'' انتہیٰ بلفظہٖ (رسالہ اشاعۃ السنۃ ۲ جلد ۱۱ مطبوعہ ۱۸۸۸ء ماخوذ از خیر التنقید ص۶)

---

(۲) حوالۂ مذکورہ۔ (۳) حوالۂ مذکورہ (۳) کتابِ مذکور ص ۱۸۷ تا ۱۹۲۔

حضرت مولانا محمد عبدالحی لکھنویؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) باطل اور نیچری فرقہ کی تردید کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

ولعمری افساد هؤلاء الملاحدة وافساد اخوانهم الأصاغر المشهورين بغير المقلدين الذين سموا انفسهم باهل الحديث وشتان مابينهم وبين اهل الحديث قد شاع فی جميع بلاد الهند وبعض بلاد غير الهند فخربت به البلاد ووقع النزاع والعناد فالیٰ الله المشتكی واليه المتضرع والملتجیٰ بدأ الاسلام غريبا وسيعود غريبا فطوبی للغرباء ولقد كان حدوث مثل هؤلاء المفسدين والملحدين فی الأزمنة السابقة فی أزمنة السلطنة الاسلامية غير مرة فقابلتهم اساطين الملة وسلاطين الأمة بالصوارم المنكية واجروا عليهم الجوازم المفنية فاندفعت فتنتهم بهلاكهم ولمالم تبق فی

مجھے اپنی زندگی (کے خالق) کی قسم ان ملحدوں کا فساد برپا کرنا اوران کے چھوٹے بھائیوں کا فساد برپا کرنا جو غیر مقلدین سے مشہور ہیں اور جو اپنے آپ کو اہلحدیث کہلاتے ہیں، اورانھیں محدثین کرامؒ سے کیا تعلق اورنسبت؟ یہ لوگ ہندوستان کے سب شہروں میں اور ہندوستان کے علاوہ دوسرے بعض شہروں میں پھیل چکے ہیں اوران کی وجہ سے شہروں میں خرابی، جھگڑا اورعناد واقع ہو چکا ہے، سواللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکوہ عاجزی اورالتجاء ہے، اسلام کی ابتداء بھی غربت میں ہوئی اورلوٹے گا بھی یہ غربت میں، سوغرباء کے لئے خوشی ہو۔ بے شک ایسے مفسد اورملحد پہلے زمانوں میں اوراسلامی سلطنت میں کئی مرتبہ ظاہر ہوئے لیکن اکابر ملت اورامت کے بادشاہوں نے ان کا مقابلہ قاطع تلواروں سے کیا اوران پر کاٹنے اورفنا کرنے والی

بلادالهندفی أعصارنا سلطنة اسلامیة ذات شوکة وقوة عمت الفتن واوقعت عباداللہ فی المحن.

اناللہ واناالیہ راجعون. انتھیٰ بلفظہ.

(الآثارالمرفوعۃ فی الاخبارالموضوعۃ ص ۲۴۸ طبع یوسفی لکھنؤ الملحق بامام الکلام)

تلواریں چلائیں اور ایسے ملحدوں کی ہلاکت سے یہ فتنہ ختم ہوا، مگر ہمارے زمانہ میں جب کہ ہندوستان میں دبدبے اور قوت والی اسلامی سلطنت ہی باقی نہ رہی تو یہ فتنے عام ہوگئے اور ان فتنوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مشقتوں میں مبتلا کردیا۔

انالله وانا اليه راجعون



سرسید(۱) کی غیر مقلّدیت

اور ترکِ تقلید سے انکارِ حدیث کی راہ

ایک مؤرّخ کا تجزیہ

اُس زمانے (۲) کا تیسرا قابلِ ذکر وہابی ایک ایسا شخص تھا، جسے بعض اہلِ حدیث شاید مسلمان بھی نہ سمجھیں، لیکن تاریخی واقعات کو مسخ نہیں کیا جاسکتا۔ ہم سرسیدؒ کے کارنامے آئندہ باب میں بیان کریں گے، لیکن وہابی اسلوبِ کار کی نسبت اُن کا ایک طویل اظہار شاید یہاں نقل کرنا بیجا نہ ہو، جس میں انھوں نے مولانا نذیر حسینؒ کی نسبت بھی ایک دلچسپ واقعہ درج کیا ہے۔ سرسید ۱۸۹۵ء کے ایک خط میں یعنی اپنی وفات سے تین سال پہلے لکھتے ہیں:

”میں نے وہابیوں کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔ ایک وہابی۔ دوسرے وہابی کریلا۔ تیسرے وہابی کریلا نیم چڑھا۔ میں اپنے تئیں تیسری قسم میں قرار دیتا ہوں اور بجز حق، حق، حق جو میرے نزدیک ہو۔ ذرّہ برابر دریغ نہیں کرتا...... جناب مولوی سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کو سنّتِ ہدیٰ جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جنابِ ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سُنا کہ

---

(۱) یہ مضمون موج کوثر از شیخ محمد اکرام ص ۶۹ تا ص ۷۲ سے ماخوذ ہے۔ (۲) انیسویں صدی کے نصف آخر میں (موج کوثر ۶۶)

میرے پاس سے اُٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اُس وقت سے رفعِ یدین کرنے لگے۔ گو اُن پر لوگوں نے بہت جملے کسے، مگر کلمۃ الحق ہمیشہ کلمۃ الحق ہے۔''

بریلوی پارٹی: سرسیّد نے جس اصول کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی نظری صحت میں کلام نہیں، لیکن اہلِ حدیث نے ''فروعات'' میں قوم کی دیرینہ روایات کا جس طرح احترام نہیں کیا اور اس معاملے میں قوم کے سب سے بڑے عالم، امام الہند شاہ ولی اللہؒ کے طریقِ کار کو ترک کر دیا ہے، اس سے دو قابلِ ذکر نتیجے نکلے ہیں، جو دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں میں سے ایک بھی ایسا نہیں، جسے وہابی اہل الرائے پسند کرتے ہوں۔ پہلا نتیجہ اصلاحی تحریک کے خلاف زبردست ردِّ عمل اور بریلوی پارٹی کا آغاز ہے صوبہ جات متحدہ کی جس بستی (رائے بریلی) میں مولانا سید احمد بریلوی پردۂ عدم سے ظہور میں آئے تھے، اس کی ایک ہم نام بستی بانس بریلی میں ۱۲۷۲ھ میں ایک عالم پیدا ہوئے، مولوی احمد رضا خان نام۔ انھوں نے کوئی پچاس کے قریب کتابیں مختلف نزاعی اور علمی مباحث پر لکھیں اور نہایت شدّت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔ وہ تمام رسوم فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارہویں، عُرس، تصورِ شیخ، قیامِ میلاد، استمداد از اہل اللہ (مثلاً یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ) اور گیارہویں کی نیاز وغیرہ کے قائل ہیں، ان کے اختلاف صرف وہابیوں سے نہیں بلکہ وہ دیوبندیوں کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں۔ بعض بریلوی تو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جیسی ہستیوں کو بھی کافر کہنے یا کم از کم ان کی تصانیف اور ان کے ارشادات پر سخت اعتراضات اور اظہارِ نفرت کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

اہل القرآن: اہل الحدیث جماعت کے جوش وخروش کا دوسرا نتیجہ طبقۂ اہل القرآن کا آغاز ہے۔ اہلِ حدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ مذہبی امور میں آزاد خیال اور عقل ورائے کے پابند ہیں۔ وہ فقہی ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی

تقلید سے آزاد ہیں۔ لیکن چونکہ وہ احادیث کی شدّت سے پیروی کرتے ہیں اور بعض احادیث ایسی ہیں، جن سے طریقِ کار متعین کرنے میں اُلجھنیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے کئی باتوں میں وہ عام مقلدین سے بھی زیادہ پابند نظر آتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں، فقط فقہا کی تقلید سے آزادی کافی نہ معلوم ہوئی اور انھوں نے مختلف اسباب کی بنا پر، احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنی چاہی۔ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے، جہاں لوگ انھیں چکڑالوی کہتے ہیں۔ اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں۔ اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلِ حدیث تھا۔ یہ جماعت چنداں اہم نہیں، لیکن اہل القرآنی خیالات ضرور روبہ ترقی ہیں اور اب بہت سے لوگ جو فرقۂ اہل القرآن سے تعلق نہیں رکھتے، کہہ رہے ہیں کہ اس میں دوسری چیزوں کو چھوڑ کر زیادہ سے زیادہ توجہ قرآن مجید پر صرف کرنی چاہئے، جو ہمیں ہو بہو بغیر کسی کمی اور اضافے کے ملا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اسی جذبے کی ترجمانی کی ہے ؎

واعظِ دستاں زن وافسانہ بند　　معنیٔ اوپست وحرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتار او　　باضعیف وشاذ ومرسل کارِ او
از تلاوت بر تو حق دارد کتاب　　تو ازو کامے کہ مے خواہی بیاب

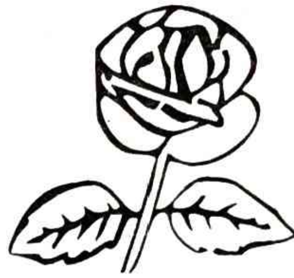
جس طریقے سے اہلِ حدیث ایک اہلِ قرآن کی منزل کے قریب قریب پہنچ جاتا ہے، اس کا اندازہ مشہور عالم اور مصنف مولانا محمد اسلم جے راجپوری کے واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ان کے والد مولانا سلامت اللہ جے راجپوری، سیّد نذیر حسین محدّث کے شاگرد اور اپنے علاقے کے سب سے با اثر اہلِ حدیث عالم اور واعظ تھے۔ ایک زمانے میں انھیں نواب صدیق حسن نے بھوپال بُلا لیا اور رفتہ رفتہ وہ ریاست کے تمام مدارس کے افسر ہو گئے۔ جن دنوں مولانا شبلی نعمانیؒ پر حنفیت زوروں سے غالب تھی اور کہا کرتے تھے

کہ ایک مسلمان، عیسائی ہو جائے تو ہو جائے، لیکن غیر مقلد کیسے ہوسکتا ہے۔ اس وقت مولانا سلامت اللہ جے راجپوری سے ان کی اس مسئلے پر بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ مولانا محمد اسلم بھی اوائلِ عمر سے سلسلۂ اہلِ حدیث میں منسلک تھے، لیکن اب آپ کے جو خیالات (۱) ہیں، ان کا اندازہ آپ کی ایک تحریر سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''قرآن ہدایت کے لئے کافی ہے اور حدیثیں دین نہیں ہیں، بلکہ تاریخِ دین ہیں، میں اہلِ قرآن کے فرقہ میں بھی داخل نہیں۔ کیوں کہ میں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یقینی اور دینی سمجھتا ہوں۔ بخلاف اہلِ قرآن کے جو عملِ متواتر کے قائل ہیں۔''

پاکستان میں اس نقطۂ نظر کے سب سے مؤثر ترجمان جناب غلام احمد پرویز مدیر طلوعِ اسلام ہیں۔





---

(۱) مولانا محمد اسلم کا انتقال ہو چکا ہے۔

فہرستِ مراجع

قرآن وعلوم قرآن

قرآن مجید	
الجامع لأحکام القرآن	ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری القرطبیؒ
الفوز الکبیر	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

حدیث وعلوم حدیث

صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج نیشاپوریؒ
جامع ترمذی	امام ابوعیسیٰ ترمذیؒ
سنن ابوداؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانیؒ
سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ بن ماجہ قزوینیؒ
موطا امام مالک	امام مالک بن انسؒ
مسند احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبلؒ
مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ خطیب طبریزیؒ
سنن بیہقی	ابوبکر احمد بن حسین بیہقیؒ
سنن دارقطنی	علی بن عمر دارقطنیؒ
آثار السنن مع التعلیق الحسن	علامہ محمد بن علی نیمویؒ
صحیح ابن خزیمہ بہ تحقیق مصطفیٰ الاعظمی	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہؒ نیشاپوری
مستدرک علی الصحیحین	حافظ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری
قیام اللیل	محمد بن نصر مروزیؒ

شرح معانی الآثار (طحاوی شریف)	امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلام بن سلمہ طحاویؒ
مجمع الزوائد	حافظ نورالدین علی بن ابی بکر ہیثمیؒ
مصنف ابن ابی شیبہ	[عبداللہ بن محمد بن ابراہیم بن عثمان ابی بکر المعروف بابن ابی شیبہؒ]
اعلاء السنن	[مولانا ظفر احمد تھانویؒ افادات حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ]
فتح الباری شرح بخاری	علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
عمدۃ القاری شرح بخاری	علامہ بدرالدین عینیؒ
مرقات المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	ملا علی بن سلطان محمد ہروی القاریؒ
بذل المجہود شرح ابوداؤد	مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری
التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح	مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ
شرح مسلم للنووی	ابوزکریا یحیٰی بن شرف نوویؒ
فتح الملہم شرح مسلم	علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ
بلوغ المرام من ادلّۃ الاحکام	علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
درس ترمذی	مولانا محمد تقی صاحب عثمانی
الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ	علامہ حافظ احمد بن علی بن محمد عسقلانیؒ
الآثار المرفوعہ فی الأخبار الموضوعہ	مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ
الحدیث المرسل بین القبول والرد	حفصہ بنت عبدالعزیز الصغیر
میزان الاعتدال	ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبیؒ
تہذیب التہذیب	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ
نصب الرایہ	جمال الدین یوسف زیلعیؒ
مقدمہ ابن الصلاح فی علوم الحدیث	علامہ ابوعمر عثمان بن عبدالرحمٰن المعروف بابن الصلاح
مقدمۂ مشکوٰۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ

نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر	حافظ ابن حجر عسقلانیؒ
کشف المعضلات	مطبوعہ دار الکتاب دیوبند
کتاب الحفاء فی ذکر الضعف والضعفاء	مولانا عبد الاول جونپوریؒ

فقہ وفتاویٰ

ہدایہ آخرین	علامہ برہان الدین مرغینانیؒ
در مختار	علامہ محمد بن علاء الدین حصکفیؒ
رد المحتار	علامہ ابن عابدین شامیؒ
اصول السرخسی	امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسیؒ
نظام الفتاویٰ	مفتی نظام الدین صاحب اعظمیؒ
فتاویٰ ابن تیمیہؒ	علامہ ابن تیمیہؒ

عقائد، کلام، تاریخ

الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم	علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم الوزیر الیمانیؒ
رفع الملام عن الائمۃ الأعلام	علامہ ابن تیمیہؒ
منہاج السنۃ	علامہ ابن تیمیہؒ
اختلافِ امت اور صراط مستقیم	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ
الکلام المفید فی اثبات التقلید	مولانا سرفراز صفدر صاحب
تحقیقِ اہل حدیث	مولانا حبیب الرحمٰن محدث الاعظمیؒ
تجلیاتِ صفدر	مولانا محمد امین صفدر اکاڑویؒ
فرقۂ غیر مقلدین	نوجوانانِ احناف مئوناتھ بھنجن
بارہ مسائل بیس لاکھ انعام	مولانا منیر احمد ملتانی صاحب
طلاقِ ثلاث صحیح ماخذ کی روشنی میں	مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی

عمدۃ الاثاث فی الطلقات الثلاث	مولانا سرفراز صفدر صاحب
موجِ کوثر	شیخ محمد اکرامؒ
مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسریؒ کے علمی سوال کا جوابِ باصواب (اشتہار)	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمیؒ
مولوی ثناء اللہ صاحب کے جواب الجواب پر تبصرہ (اشتہار)	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمیؒ
مولانا ثناء اللہ اور بحث تقلید (کتابچہ)	مولانا حبیب الرحمٰن صاحب محدث اعظمیؒ
رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقۂ نماز	جمیل احمد نذیری

کتب علماءِ غیر مقلدین

تحفۃ الاحوذی	مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوریؒ
فتاویٰ ثنائیہ	مرتب. مولانا داؤد راز صاحبؒ
اسلام اور اہل حدیث (کتابچہ)	مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ
ابکار المنن	مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوریؒ
المقالۃ الحسنٰی فی سنیۃ المصافحۃ بالید الیمنٰی	مولانا عبدالرحمٰن محدث مبارک پوریؒ
دلائل محمدی	مولانا محمد جونا گڈھیؒ
صلوٰۃ الرسول	مولانا حکیم محمد صادق سیالکوٹیؒ
القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول	ابوعبدالسلام عبدالرؤف عبدالحنان
نماز نبویؐ	مولانا احسن جمیل سلفی
ترجمہ صفۃ صلوٰۃ النبیؐ للالبانیؒ	مولانا عبدالباری فتح اللہ مدنی
ماہنامہ آثار	دارالحدیث اثریہ مئوناتھ بھنجن



مصنف کی کچھ اور قابلِ مطالعہ کتابیں

اہل حدیث اور تقلید و فرقہ بندی

فرقہ بندی کیا ہے؟ فرقے کیسے وجود میں آتے ہیں؟ کیا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اور تقلید ائمہ فرقہ بندی ہے؟ مسلکِ اہلِ حدیث میں تقلید کی مثالیں، ائمہ اربعہ کا مقلد اچھا ہے یا اہل حدیث علماء کا۔؟

قیمت -/۴۰ روپے

مصافحہ کا مسنون طریقہ

مصافحہ کا معنیٰ و مفہوم، مصافحہ کا مسنون طریقہ، دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت، ایک ہاتھ کے مصافحہ کے کمزور استدلالات، کتاب و سنت اور اقوال سلف و طریقۂ سلف کی روشنی میں مصافحہ کے موضوع پر ایک قابلِ مطالعہ کتاب۔

قیمت / ۳۵

اہل حدیث! چند حقائق

ترکِ تقلید کے خوفناک نتائج، غیر مقلدین کی ضعیف و موضوع روایتیں، صحاحِ ستہ کی احادیث سے اعراض قیاس و رائے سے استدلال، اس کے علاوہ مسلکِ اہلِ حدیث کے وہ حقائق جنھیں پڑھ کر آپ چونک اٹھیں گے۔

-/۳۵

تقلید: اعتراضات کا جائزہ

تقلید و اتباع کی حقیقت، تقلید شخصی کا ثبوت و وجوب ائمہ اربعہ کی ہی تقلید کیوں؟ چاروں امام برحق کیسے؟ تقلید کے بارے میں جمہور اکابرِ امت کی آراء، یہ اور اس جیسے دیگر موضوعات، تقلید پر ہونے والے ہر قسم کے اعتراضات کا تفصیلی جائزہ۔

ملنے کا پتہ:- مکتبہ صداقت نوادہ، مبارکپور، اعظم گڑھ یوپی پن نمبر ۲۷۶۴۰۴

PRINTED AT : KAKORI OFFSET PRESS, LKO. PH. : 2629616, 6535663